ماہنامہ

ABC Certified باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت

کرائم بیورو
کراچی

اکتوبر 2025ء

قیمت: 200 روپے

'ٹرمپ انہیں پسند کرتے ہیں جو وعدے پورے کریں'

پاکستان میں بجلی کے صارفین گردشی قرض کے بوجھ تلے کیوں دبے ہوئے ہیں؟

انڈین ٹیم کی بغیر ٹرافی روانگی، 'کھیل کے میدان میں آپریشن سندور' کے تذکرے پر محسن نقوی کا جواب:

ایشیا کپ کے فائنل کے بعد کیا ہوا؟

امریکی سکیورٹی ضمانت کے باوجود سعودی عرب نے پاکستان کے ساتھ دفاعی معاہدہ کیوں کیا؟

پاکستانی کمانڈوز کا وہ آپریشن جس پر انڈیا نے جنرل ضیا کا شکریہ ادا کیا

CRIME STOPPERS

CRIME SCENE DO NOT CROSS

سوہائی عزیز تالپور

ایس ایس پی اسپیشل برانچ

انسپکٹر اخلاق علی

ایس ایچ او شاہراہ فیصل پولیس اسٹیشن

سب انسپکٹر محمد نواز

ایس ایچ او مبینہ ٹاؤن

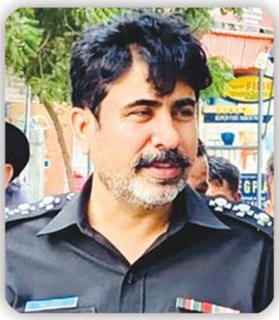

انسپکٹر سید ولایت علی شاہ

(ایس ایچ او سائٹ سپر ہائی وے پولیس اسٹیشن)

ماہنامہ

ABC Certified باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت

کرائم بیورو

کراچی

جلد نمبر 05 | اکتوبر 2025ء | شمارہ نمبر 11

قیمت: 200 روپے

فرمان الٰہی

اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا، اگر تم شکر گزار بن جاؤ اور ایمان لے آؤ اور اللہ (ہر حق کا) قدر شناس ہے (ہر عمل کا) خوب جاننے والا ہے۔ (النسآء:4)

فرمان مصطفیٰ ﷺ

وہ جوان جس کی جوانی عبادت الٰہی میں گزری، اسے اللہ تعالیٰ روزِ محشر اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے۔ (بخاری شریف: 6806)

فہرست

اقتدار کا کھیل جب آئینی دائرے سے نکلے	5
امریکی سکیورٹی ضمانت کے باوجود سعودی عرب نے پاکستان کے ساتھ دفاعی معاہدہ کیوں کیا؟	6-7
بجلی کے صارفین گردشی قرض کے بوجھ تلے کیوں دبے ہوئے ہیں؟	8
پولیس اور انصاف دونوں مفلوج	9
'ٹرمپ انہیں پسند کرتے ہیں جو وعدے پورے کریں'	10-11
ایشیا کپ کے فائنل کے بعد کیا ہوا؟	12-13
شہید بے نظیر آباد: بدحال سڑکیں، کھلے گٹر اور انکروچمنٹ	14
پاکستانی کمانڈوز کا وہ آپریشن جس پر اندرا گاندھی نے جنرل ضیا کا شکریہ ادا کیا	15-16
بگرام: سکندرِ اعظم، چنگیز خان اور بابر کی توجہ کا مرکز	17-18
نازیبا حرکت مہنگی پڑ گئی۔۔۔!!	19
'پاکستان نے ہی پاکستان کو روک دیا'	20
کراچی ایئرپورٹ اور کالا چھپرا	21
پاکستان نے ٹرمپ کے غزہ منصوبے سے دوری کیوں اختیار کی؟	22-23
'اب پاکستان میں گاڑیاں پروڈکشن لائن سے نہیں، بندرگاہ کے ذریعے آئیں گی'	24-25
انڈین وزیر دفاع، آرمی اور ایئر چیفس کے بیانات پر پاکستانی فوج کی تنبیہ:	26-27
پاکستان انڈیا میچ کے دوران سامنے آنے والے پانچ تنازعات	28

پبلشر فضیل امر نے خرم پرنٹنگ پریس پاکستان چوک سے چھپوا کر آفس نمبر 1، پاکستان ہاؤسنگ اتھارٹی قائد آباد ملیر سے شائع کیا

crimebeauru@gmail.com

چیف ایڈیٹر: شیخ حسین امر

ایڈیٹر: عرفان ساگر

ڈپٹی ایڈیٹر: مارشا امر

منیجنگ ایڈیٹر: معظمہ جٹ

ایڈیٹر انوسٹی گیشن: شکیل ناچ

مجلس ادارت:

نیاز کھوکھر، راؤ جمیل، آغا خالد، ضیاء الرحمٰن، ڈاکٹر جعفر عباس، سمیر قریشی، ملیحہ عمران (انگلینڈ)، غازی صلاح الدین، فاروق مرزا (امریکہ)، عبدالوحید جیلانی، افضل سندھو، کامران خان، اسداللہ خان، طارق پٹھان

انچارج انوسٹی گیشن ٹیم: زاہد شاہ

چیف رپورٹر: انور سلطان (0300 2056305)

کرائم رپورٹر:

عمیر خان، نعمان صافی، عبداللہ گدی، سہیل آرائیں، زید میمن سلطان چاکی سومرو احسن کندی (فیصل آباد)

چیف فوٹو گرافر: عبدالستار قریشی

بیورو چیف:

نوید میو (اسلام آباد) راحیل شہزاد (شہید بینظیر آباد)

سعدیہ حق (لاہور) چوہدری مستقیم (چنیوٹ) عبدالغفور سروہی (حیدر آباد)

ڈسٹرکٹ رپورٹرز:

ابرار احمد (سوات) مراد عباسی (پنو عاقل)

شہمیر قریشی (ٹھٹھہ) ساجد علی شاہ (چنیوٹ)

انچارج سندھ ڈیسک: سید انعام شاہ

قانونی مشیران:

سید عثمان الحسن ایڈووکیٹ، امجد حسین قریشی ایڈووکیٹ

امان اللہ یوسفزئی ایڈووکیٹ، نظر اقبال (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

- آج کے جدید ترین ٹیکنالوجی سے لیس سوشل میڈیا کے دور میں ہم تحقیقاتی صحافت کو زندہ رکھنے کا عزم لئے ایک ماہنامہ میگزین کا اجراء کر چکے ہیں جس میں سینئر اور تحقیقی صحافیوں پر مشتمل تجربہ کار ٹیم کی مجلس ادارت ہے۔ میگزین کا فوکس کرائم کے شعبے سے جڑے تحقیقاتی مضامین سے ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ میگزین کا ہر شمارہ ہر مہینے کی ایک دستاویز کی حیثیت کا حامل ہو۔
- کراچی، اسلام آباد، لاہور، حیدر آباد، فیصل آباد، سکھر، پشاور، کوئٹہ سمیت تمام چھوٹے بڑے شہروں سے بیورو چیفس اور ضلعی نمائندگان کے تحقیقاتی مضامین اور رپورٹس آپ کو نہ صرف چونکائیں گی بلکہ ارباب اختیار کو ایکشن میں آنے پر مجبور بھی کریں گی۔

ہماری ٹیم میں شامل ہونے اور میگزین کا حصہ بننے کیلئے رابطہ کریں

واٹس ایپ نمبر: **0300 2056305**

اقتدار کا کھیل جب آئینی دائرے سے نکلے

مارشا امر: ڈپٹی ایڈیٹر

اکتوبر پاکستان کی تاریخ میں صرف موسمِ خزاں کا حصہ ہی نہیں رہا ، بلکہ سیاسی زلزلوں کا مہینہ بھی رہا ہے

اس مہینے کے اوراق اٹھائیں تو ایک بار بار دہرایا جانے والا سبق سامنے آتا ہے!

جب اقتدار کا کھیل آئین سے باہر کھیلا جائے تو جرم اور انتشار جنم لیتے ہیں

پاکستان کا قیام عظیم خیال اور ایک آئینی جدو جہد کے نتیجے میں ہوا لیکن آزادی کے فوراًبعد ہی اقتدار کی کشمکش شروع ہوگئی

پہلے وزیرِاعظم لیاقت علی خان کے قتل سے لے کر مارشل لا کے نفاذ تک، ہر بڑا سانحہ ہمیں یہی پیغام دیتا ہے کہ طاقت جب آئین کے بجائے ذاتی مفاد کی بنیاد پر استعمال ہو تو ملک کے اندر انتشار پھیلتا ہے

آئین سے انحراف کے نتائج بھیانک ہوتے ہیں

ایک دن کا غیر آئینی فیصلہ دہائیوں کے بحران کو جنم دیتا ہے

آئین ایک سماجی معاہدہ ہے، جو اقتدار کو حدود و قیود میں رکھتا ہے جب یہی حدود توڑی جاتی ہیں تو ریاست میں وہی ہوتا ہے جو کسی بھی معاشرے میں ہوتا ہے جب قانون کی پاسداری نہیں ہوتی اور طاقتور اپنے مفاد میں خودساختہ قانون بناتے ہیں تو کمزور متاثر ہوتے ہیں اور جرم عام ہو جاتا ہے ، سیاسی جوڑ توڑ ، انتخابی دھاندلی ، طاقت کے ذریعے حکومت گرانا اور بنانا، یہ سب اسی جرم کی شکلیں ہیں

اکتوبر کے تاریخی اسباق میں یہ سبق یادرکھا جائے:

7 اکتوبر 1958 کو پہلا مارشل لاء لگا، آئین معطل ہوا اور سیاسی نظام ایک نئے راستے پر چلا گیا

صرف بیس دن بعد اقتدار فوج کے ہاتھ میں آ گیا، اس ایک قدم نے سیاست، عدلیہ اور سب پر اثر ڈالا

یہی وہ لمحہ تھا جب اقتدار کا کھیل کھیلنے والوں نے آئینی دائرہ توڑا اور نتیجہ میں کیا آیا؟

عوامی بے یقینی

احتجاج اور جمہوری اداروں کی کمزور شکلیں

(پاکستان اور پاکستان کے آئین کی سالمیت کیلئے فوج کا ایسے مارشل لاء لگانا ضروری امر ہوتا ہے)

یہ جرائم اور انتشار کیسے جنم لیتے ہیں؟

جب آئینی راستے مسدود ہو جائیں تو عوام کو اپنی بات کہنے کے لیے سڑک پر آنا پڑتا ہے

احتجاج بڑھتا ہے، ردِعمل میں ریاست سختی دکھاتی ہے

یوں سیاست جرم اور بغاوت کے بیچ میں پھنس جاتی ہے

اس صورتحال کا سب سے بڑا نقصان عوام اور معیشت کو ہوتا ہے، جبکہ طاقتور گروہ وقتی فائدے اٹھا کر الگ ہوجاتے ہیں

بہرحال تاریخ ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ جمہوریت اور آئین کمزور ضرور ہو سکتے ہیں مگر ان کا کوئی متبادل نہیں، اقتدار کے کھیل کو آئین کے اندر رکھنا ہی جرم اور انتشار سے بچنے کا راستہ ہے

اداروں کا احترام ، عدلیہ کی آزادی ، شفاف انتخابات اور میڈیا کی آزادی وہ ستون ہیں جو ریاست کو طاقت کے ناجائز استعمال سے محفوظ رکھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں

خودساختہ طاقتور جواب دہ ہیں، ایسے طاقتور قانون کے دائرے سے باہر نکل کر مجرم بن جاتے ہیں

اقتدار کا کھیل اگر آئین سے باہر کھیلا جائے تو صرف حکومتیں نہیں گرتیں ، معاشرے کی بنیادیں ہلتی ہیں ، جرائم بڑھتے ہیں ، ادارے کمزور ہوتے ہیں اور عام آدمی سب سے بڑا نقصان اٹھاتا ہے

اسی لیے آئین اور قانون کا احترام کسی بھی ریاست کے لیے محض اصول نہیں بلکہ بقا کی ضمانت ہے

آئین قوموں کا حفاظتی حصار ہے یہی سبق " ماہنامہ کرائم بیورو" اپنے قارئین تک پہنچا رہا ہے

78ارب ڈالر کا دفاعی بجٹ، 917 طیارے اور 840 ٹینک

امریکی سکیورٹی ضمانت کے باوجود سعودی عرب نے پاکستان کے ساتھ دفاعی معاہدہ کیوں کیا؟

پاکستان کے وزیراعظم شہباز شریف اس مرتبہ جب سعودی عرب کے دورے پر پہنچے تو بہت کچھ پہلے سے مختلف تھا۔ سعودی فضائی حدود میں داخل ہوتے ہی ان کے طیارے کو سعودی جنگی طیاروں نے حفاظتی حصار میں لے لیا، ان کے لیے سرخ قالین بچھایا گیا اور انھیں مکمل شاہی استقبال سے نوازا گیا۔

اس پس منظر میں پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان 'باہمی دفاع کا سٹریٹیجک معاہدہ' طے پایا جس کے تحت 'کسی ایک ملک کے خلاف جارحیت کو دونوں ملکوں کے خلاف جارحیت تصور کیا جائے گا۔'

اس معاہدے کی آپریشنل تفصیلات تو اب تک منظر عام پر نہیں لائی گئیں تاہم معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد پاکستانی وزیراعظم اور سعودی عرب کے ولی عہد محمد بن سلمان نے معاہدے کی کاپیاں ہاتھوں میں تھامیں اور بغل گیر ہو کر تصاویر بنوائیں۔

خیال رہے کہ جس روز یہ معاہدہ طے پایا اس کے چند ہی روز قبل اسرائیل نے سعودی عرب کے پڑوسی ملک قطر کے دارالحکومت میں ایک عمارت میں موجود حماس کی قیادت کو نشانہ بنایا تھا۔

اس وقت تک قطر حماس اور اسرائیل کے درمیان یرغمالیوں کے تبادلے اور جنگ بندی کے معاہدے کے لیے ہونے والی کوششوں میں ثالث کا کردار ادا کر رہا تھا۔

زیادہ قابل ذکر یہ امر ہے کہ قطر مشرق وسطی میں سب سے بڑے امریکی فوجی اڈے کی میزبانی بھی کرتا ہے۔

قطر بڑی تعداد میں امریکہ سے دفاعی ساز و سامان اور ہتھیار بھی خریدتا ہے اور اپنے دفاع کے لیے امریکہ پر انحصار بھی کرتا تھا۔

جب ایران اور اسرائیل کی جنگ کے دوران ایران نے قطری خودمختاری کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قطر میں قائم امریکی فوجی اڈے پر میزائل داغے تھے تو انھیں فضا ہی میں تباہ کر دیا گیا تھا۔ تاہم اس مرتبہ امریکہ انے اسرائیلی حملے کے خلاف قطر کو ایسا کوئی دفاع فراہم نہیں کیا۔

اپنے دفاع کے لیے امریکی معاونت پر انحصار کی حد تک سعودی عرب کی صورتحال بھی قطر سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ سعودی عرب دنیا میں امریکی اسلحے اور جنگی ساز و سامان کے چند بڑے خریداروں میں سے ایک ہے۔

سعودی عرب میں بھی امریکہ نے فوجی اڈے قائم کر رکھے ہیں جن میں 'پرنس سلطان ایئر بیس' کا مستقل اڈہ شامل ہے جہاں امریکی فوجیوں کی ایک بڑی تعداد بھی موجود ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ جدید امریکی جنگی ساز و سامان رکھتے ہوئے اور امریکہ کے ساتھ اچھے سفارتی اور دفاعی تعلقات ہوتے ہوئے سعودی عرب کو یہ ضرورت کیوں پیش آئی کہ وہ پاکستان کے ساتھ دفاعی معاہدہ کرے اور اس کی تشہیر کرنا بھی ضروری سمجھے؟

کیا اس کے پیچھے 9 ستمبر کو قطر کے دارالحکومت دوحہ میں ہونے والا واقعہ ہے یا پھر سعودی عرب کی فوجی صلاحیت میں کوئی کمی موجود ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو یہ کمی کیا ہو سکتی ہے؟

ایسے سوالوں کا جواب جاننے سے قبل سعودی

عرب کی فوجی صلاحیت پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

سعودی عرب کی فوجی طاقت کے اعداد و شمار کیا بتاتے ہیں؟

دنیا بھر کے ممالک کی فوجی طاقت اور جنگی صلاحیت پر نظر رکھنے والی ویب سائٹ گلوبل فائر پاور کے مطابق سعودی عرب کے پاس چار لاکھ سات ہزار فوجی ہیں جن میں سے 257000 فعال ہیں۔

تاہم ان میں اس کی بری افواج کے اہلکاروں کی تعداد 75000، فضائیہ کی تعداد 20000 اور نیوی 13500 ہے جبکہ باقی 150000 نیم فوجی اہلکار ہیں۔

گلوبل فائر پاور ویب سائٹ کے مطابق سعودی عرب کے پاس 917 طیاروں کا سٹاک موجود ہے جن میں لگ بھگ 642 فعال حالت میں ہیں۔

یہ دنیا کے 145 ممالک میں سے 11 ویں نمبر پر بڑی فضائی قوت ہے۔ ان میں 283 لڑاکا طیارے اور 81 اٹیک ٹائپ طیارے ہیں۔ لڑاکا طیارے فضا سے فضا میں جنگ کی صلاحیت رکھتے ہیں جبکہ اٹیک ٹائپ طیارے فضا سے زمین پر اہداف کو نشانہ بنانے اور بھاری گولا بارود داغنے کے کام آتے ہیں۔

گلوبل فائر پاور کے مطابق سعودی عرب کے پاس 840 ٹینک ہیں جن میں سے 588 تیاری کی حالت میں ہیں۔ یہ دنیا کے 145 ممالک میں 20 ویں نمبر پر سب سے بڑی تعداد ہے۔ ساتھ ہی اس کے پاس خود سے حرکت کرنے والے توپ خانے کی تعداد 332 جبکہ گاڑی سے کھینچے جانے والے توپ خانے کی تعداد 467 ہے۔

ملٹیپل لانچ راکٹ سسٹم یعنی ایم ایل آر ایس کے اعتبار سے سعودی عرب دنیا کے 145 ممالک میں 12 ویں نمبر ہے اور اس کے پاس اس قسم کے راکٹ سسٹم کا سٹاک 321 ہے جن میں سے 225 تیاری کی حالت میں ہیں۔

ایم ایل آر ایس اس سسٹم کو کہا جاتا ہے جس میں ایک لانچر سے تھوڑے سے وقت میں کئی لانچرز فائر کیے جاسکتے ہیں۔

اعداد و شمار سے ہٹ کر سعودی عرب کی حقیقی فوجی صلاحیت کتنی ہے؟

مہران کامراوا قطر میں جیورج ٹاؤن یونیورسٹی کے پروفیسر آف گورنمنٹ ہیں اور خطے میں بین الاقوامی امور کے ماہر ہیں۔

اس سوال پر کہ سعودی عرب کی حقیقی فوجی طاقت کتنی ہے اور خاص طور پر خطے کے دیگر ممالک کے مقابلے اس کی فوجی صلاحیت کیسی ہے، پروفیسر مہران کامراوا کہتے ہیں کہ 'اس بارے ہمیں معلوم نہیں۔'

بی بی سی سے بات کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ 'ہمیں صحیح طور پر اس کا علم نہیں کہ سعودی عرب خطے کے دیگر ممالک کے مقابلے میں کتنی فوجی طاقت رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ یمن میں اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوا تھا جب اس نے 2015 میں یمن پر حملہ کیا۔'

تاہم ان کے خیال میں سعودی عرب کے فوجی صلاحیت میں 'طلب' کا عنصر موجود ہے اور وہ اس سطح پر نہیں جہاں سعودی عرب کی قیادت چاہتی ہے۔

'تمام تر فوجی ساز و سامان کی خریداری کے باوجود سعودی کی فوج اقربا پروری کا شکار ہے۔'

وہ کہتے ہیں کہ 'بہت سے کمانڈرز سعودی عرب کے حکمران خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ میرٹ پر اپنے موجودہ عہدوں پر فائز اور پروموٹ نہیں کیے گئے بلکہ اپنے خاندانی تعلقات اور حکمران خاندان سے اپنی وفاداری کی وجہ سے کیے گئے ہیں۔'

اسرائیل کے موازنے میں سعودی فوجی قوت کہاں کھڑی ہے؟

پروفیسر مہران کامراوا کہتے ہیں کہ اسرائیل کو امریکہ کی غیر مشروط حمایت حاصل ہے۔ بی بی سی سے بات کرتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ اسرائیل کے پاس جدید ترین امریکی اسلحہ موجود ہے۔

'اور اس کے ہاں ذہنی رجحان ایسا ہے کہ اسرائیل کے پاس سیٹیزن سولجرز موجود ہیں۔ تو میرا نہیں خیال کہ سعودی اور اسرائیلی فوجی صلاحیتوں کا موازنہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ وہ مکمل طور پر دو الگ سطح پر ہیں۔'

تاہم پروفیسر مہران کامراوا کہتے ہیں کہ حال ہی میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ سعودی عرب ایران کے مقابلے میں مقامی طور میزائل بنانے کے ایک مضبوط پروگرام پر کام کر رہا ہے اور 'خاص طور پر اس افادیت، ہدف کو صحیح نشانہ بنانے کی صلاحیت اور رینج کو سامنے رکھتے ہوئے جو ہم نے ان ایرانی میزائلوں پر دیکھی ہے جو اسرائیل کی طرف فائر کیے گئے تھے۔'

تو ان کے خیال میں یہ ہوسکتا ہے کہ آنے والے برسوں میں سعودی عرب ایک مضبوط فوجی قوت بن کر سامنے آئے لیکن 'تاوقت وہ اس مقام تک نہیں پہنچا۔'

سعودی عرب پاکستان سے دفاعی معاہدہ کیوں چاہتا ہے؟

قطر میں جیورج ٹاون یونیورسٹی کے پروفیسر مہران کامراوا کے مطابق 'گزشتہ چند برسوں میں ہم نے یہ دیکھا ہے کہ سعودی عرب میں اپنے فوجی اتحاد، فوجی سپلائرز اور مقامی طور پر اسلحہ تیار کرنے کی انڈسٹری میں تنوع یا ڈاوَرسیفیکیشن لانے کی کوشش کر رہا ہے۔'

'اور پاکستان ایک جوہری طاقت ہے اور خطے کی بڑی فوجی طاقتوں میں سے ایک ہے۔ اس لیے سعودی عرب کے لیے یہ ایک فطری عمل ہے کہ وہ پاکستان کے ساتھ دفاعی معاہدہ کرے۔'

وہ کہتے ہیں کہ یہ معاہدہ خاص طور پر اس لیے بھی طے پایا ہے کہ اس وقت خلیج فارس کی تمام تر ریاستوں کو یہ اندازہ ہو چکا ہے کہ وہ صرف امریکہ پر اپنی سکیورٹی کے لیے مکمل انحصار نہیں کر سکتے۔

'خاص طور پر دوحہ میں ہونے والے اس حالیہ اسرائیلی حملے کے بعد جو ہر طرح سے امریکہ کے علم میں لانے کے بعد کیا گیا۔'

امریکہ کی سکیورٹی چھتری کے ہوتے ایسا معاہدہ کیا حیثیت رکھتا ہے؟

پروفیسر مہران کامراوا کا کہنا ہے کہ 'یہ بات درست ہے کہ گزشتہ لمبے عرصے سے سعودی عرب اپنی سکیورٹی کے لیے امریکہ کی چھتری استعمال کرتا رہا ہے اور اس سے اسلحہ بھی خریدتا رہا ہے تاہم سعودی عرب کے پاکستان کے ساتھ بھی تاریخی تعلقات ہیں۔'

ان کے خیال میں پاکستان کے ساتھ اس موقع پر سعودی عرب کی طرف سے معاہدہ علامتی بھی ہے۔

'وہ امریکہ کو سگنلنگ کرنا چاہتا ہے یا دکھانا چاہتا ہے کہ اس کے پاس اپنی سکیورٹی یا فوجی اتحاد کے لیے اور بھی آپشنز موجود ہیں۔'

قطر میں جیورج ٹاؤن یونیورسٹی کے پروفیسر مہران کامراوا کے خیال میں اس امکان کو بھی رد نہیں کیا جاسکتا کہ پاکستان اور سعودی عرب کی طرز کے معاہدے خلیج فارسی کی دیگر ریاستوں کی طرف سے بھی سامنے آئیں۔

وہ کہتے ہیں کہ یہ معاہدے یورپی ممالک کے ساتھ بھی ہو سکتے اور ایشیائی ممالک کے ساتھ بھی ہوسکتے ہیں۔

'گو یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا لیکن یہ امکان ضرور موجود ہے کہ جی سی سی کے دیگر ممالک بھی اسی طرز کے دفاعی معاہدے کریں اور جن ممالک کے ساتھ وہ یہ معاہدے کرنا چاہیں گے ان میں پاکستان بھی شامل ہوسکتا ہے۔'

ان کے خیال میں یہ ریاستیں یورپی ممالک، جنوبی کوریا، ترقی یا پھر چین کے ساتھ بھی اس نوعیت کے معاہدے کر سکتے ہیں۔

پاکستان میں بجلی کے صارفین گردشی قرض کے بوجھ تلے کیوں دبے ہوئے ہیں؟

پاکستان میں توانائی کے شعبے میں ایک بڑی پیشرفت کے طور پر وفاقی حکومت نے بجلی کے شعبے کے بڑھتے ہوئے سرکلر ڈیٹ یعنی گردشی قرضے پر قابو پانے کے لیے 18 بینکوں کے کنسورشیئم کے ساتھ 1200 ارب روپے کے فنانسنگ معاہدے پر دستخط کیے ہیں۔

وفاقی وزیر خزانہ اورنگزیب کے مطابق یہ ملکی تاریخ کی ’سب سے بڑی ری سٹرکچرنگ ڈیل‘ ہے جو توانائی کے شعبے کو ’بحران سے نکالنے میں سنگِ میل ثابت ہوگی۔‘

ملک میں توانائی کا شعبہ کئی برسوں سے سرکلر ڈیٹ کے بوجھ تلے دبا رہا ہے جس میں بجلی کے بلوں کی عدم ادائیگی، سبسڈیز، سرچارجز اور تاخیر سے ہونے والی ادائیگیاں شامل ہیں۔

گذشتہ مالی سال کے اختتام تک یہ قرضہ بڑھ کر تقریباً 2400 ارب روپے تک پہنچ گیا جو ملک کی مجموعی قومی پیداوار یعنی جی ڈی پی کا 1.2 فیصد حصہ بنتا ہے۔

گردشی قرض اُس مالیاتی خسارے کو کہا جاتا ہے جہاں بجلی کی پیداوار، ترسیل اور تقسیم سے وابستہ مختلف ادارے ایک دوسرے کے بڑے واجبات ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

اس میں وفاقی حکومت، نجی بجلی گھروں (آئی پی پیز)، سرکاری بجلی تقسیم کار کمپنیاں، توانائی فراہم کرنے والے ادارے اور وہ مالیاتی ادارے شامل ہیں جو اس شعبے کو قرض فراہم کرتے ہیں۔ اکثر یہ ادارے ایک دوسرے کو بروقت ادائیگیاں نہیں کرتے جس کے نتیجے میں یہ قرض بڑھتا رہتا ہے۔

بینکوں سے حاصل کی جانے والی فنانسنگ کے بارے میں حکومت کا کہنا ہے کہ نظام میں سرمایہ آنے کے بعد بجلی پیدا کرنے والے اور تقسیم کار ادارے زیادہ موثر طریقے سے چل سکیں گے، یعنی لوڈ شیڈنگ، ایندھن کی قلت اور اچانک بڑھنے والے نرخوں میں کمی آئے گی۔

اس کے ساتھ حکومت کو امید ہے کہ توانائی کے شعبے میں شفافیت اور استحکام بحال ہونے سے نئی سرمایہ کاری کے دروازے کھلیں گے، خاص طور پر بجلی پیدا کرنے، تقسیم کرنے اور قابلِ تجدید توانائی میں۔

حکومت کا موقف ہے کہ اس سے مستقبل میں لاگت مزید کم ہو سکے گی اور جب پرانے واجبات کسی حد تک ادا ہو جائیں گے تو حکومت اپنی توجہ اصلاحات پر مرکوز کر سکے گی جیسے تقسیم کار کمپنیوں کی طرزِ حکمرانی کو بہتر بنانا۔

تاہم ناقدین کی رائے ہے کہ اس اقدام سے بجلی کے صارفین کو کوئی ریلیف ملنے کا امکان کم ہے۔

حکومت گردشی قرضوں کا مسئلہ کیسے حل کرنا چاہتی ہے؟

پاور سیکٹر کے گردشی قرضوں سے نمٹنے کے لیے حکومت نے 18 بڑے بینکوں کے ساتھ 1200 ارب روپے کی فنانسنگ کا معاہدہ کیا ہے۔ یہ قرضہ اسلامی مالیاتی اصولوں کے تحت ترتیب دیا گیا ہے اور اس کی واپسی بجلی کے بلوں میں پہلے سے شامل سرچارج کے ذریعے کی جائے گی تاکہ قرض دہندگان کو ادائیگی ہو سکے۔

بینکوں سے یہ پیسہ 9.0 فیصد شرح سود پر لیا جائے گا جس کی ادائیگی چھ سال کے عرصے میں ہوگی۔

بینکوں کی جانب سے دیے گئے اس قرضے کی ادائیگی چھ سال میں ہوگی۔ اس قرضے اور اس پر سود کی ادائیگی بجلی صارفین سے 3.23 روپے فی یونٹ کے حساب سے ڈیٹ سروس سرچارج (ڈی ایس ایس) کے ذریعے کی جائے گی۔ ڈی ایس ایس پہلے سے ہی صارفین سے بجلی کے بل میں وصول کیا جا رہا ہے۔

جمعے کو وفاقی وزیر توانائی اویس احمد خان لغاری نے اسلام آباد میں پریس کانفرنس کے دوران بتایا کہ ماضی میں اس ضمن میں مہنگے قرضے لیے گیے تھے مگر اب موجودہ حکومت نے بینکوں کے ساتھ کامیاب مذاکرات کر کے ساڑھے تین سے ساڑھے پانچ فیصد کم سود کے ساتھ سستا قرضہ حاصل کیا ہے۔

انھوں نے دعویٰ کیا کہ ’ہم نے اس فیصلے کا بوجھ عوام پر پڑنے نہیں دیا۔ گردشی قرضہ ختم نہیں ہو رہا تھا، اب اسے ختم کر کے رہیں گے۔‘

اویس لغاری نے یہ بھی کہا کہ اگر آئندہ چھ برسوں میں بجلی کا استعمال زیادہ ہوا تو ممکن ہے کہ بقیہ گردشی قرضہ مقررہ مدت سے قبل ہی ختم ہو جائے۔

پاکستان کی حکومت کی جانب سے پاور سیکٹر میں گردشی قرضوں کی پہلی بار ادائیگی نہیں ہو رہی بلکہ ماضی میں بھی کئی سو ارب روپے کی ادائیگی کی گئی تھی۔

معاشی اور توانائی امور کے تجزیہ کار علی خضر نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ 2013 میں 500 ارب کا مالی پیکج گردشی قرضوں کو ختم کرنے کے لیے دیا تھا تاہم اس کے بعد یہ قرضہ بڑھتا رہا۔

انھوں نے کہا کہ اب اس نئے بندوست میں 1200 ارب بینکوں سے لے کر اس قرضے کو ختم کرنے کا یہ نیا منصوبہ لایا گیا جس کی ادائیگی صارفین کو ڈی ایس ایس کے ذریعے ادا کرنی پڑے گی جو وہ پہلے سے ادا کر رہے ہیں۔

علی نے کہا مسئلہ یہ ہے کہ ابھی تک حکومت کے اقدامات صرف سٹاک کو کم کرنے پر ہیں، جیسے سیٹلمنٹ، ادائیگیاں یا ری سٹرکچرنگ۔ لیکن اس میں اضافے کو قابو نہیں کر رہے جو کہ صرف ایک مہینے میں 47 ارب روپے بڑھ گیا۔

انھوں نے کہا اس کا مطلب ہے کہ بنیادی مسائل جیسے کہ بجلی کی چوری، لائن لاسز، تاخیر سے ادائیگیاں، ناکافی ٹیرف ایڈجسٹمنٹ، سبسڈی وغیرہ بدستور موجود ہیں اور قرضے کو بڑھا رہے ہیں۔

کیا صارفین کو کوئی ریلیف ملے گا؟

حکومت کی جانب سے گردشی قرضے سے نمٹنے کے لیے بینکوں سے 1200 ارب روپے کی فنانسنگ سے بینکوں کو سود کی مد میں منافع ملے گا۔ جبکہ پاور کمپنیوں کے کیش فلو کی صورتحال بہتر ہوگی۔ مگر ماہرین کے بقول صارفین کے لیے ریلیف کا امکان کم ہے۔

پاکستان انسٹیٹیوٹ آف ڈویلپمنٹ اکنامکس میں ماہر توانائی امور ڈاکٹر عافیہ ملک نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ اس میں صارفین کے لیے کوئی فائدہ نہیں بلکہ انھیں مزید ڈی ایس ایس کی ادائیگی کرنی پڑے گی جو وہ پہلے سے ادا کر رہے ہیں۔

انھوں نے بتایا کہ ویسے بھی اس فنانسنگ سے پورا قرضہ ادا نہیں ہوا بلکہ اس کا ایک حصہ ادا کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ گردشی قرضے اس شعبے میں مسائل پیدا کرتے رہیں گے اور اس کا بوجھ صارفین کو اٹھانا پڑے گا۔

انھوں نے کہا کہ اصل مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہوا کہ کیسے اس گردشی قرضوں میں اضافے کو روکا جائے کیونکہ صرف جولائی کے مہینے میں اس میں 47 ارب روپے کا اضافہ ہوا یعنی اس کے بڑھنے کی وجوہات موجود ہیں۔ ’سب سے بڑا مسئلہ لائن لاسز کا ہے اور اس کے ساتھ بجلی کی چوری اور بجلی کی طلب کا کم ہونا ہے جبکہ حکومت کو پاور کمپنیوں کو کپیسیٹی پیمنٹ پوری ادا کرنی ہوتی ہے۔‘

ماہرین کا کہنا ہے کہ فی الحال بجلی کی قیمت میں کمی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ انھوں نے اس خدشے کا اظہار بھی کیا کہ اگر اس ادائیگی کے بعد بھی گردشی قرضے میں کوئی کمی نہیں ہوئی تو بجلی کی قیمت میں مزید اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔

علی خضر کا کہنا ہے کہ فی الحال تو کسی کمی کا امکان نہیں ہے اور صارفین کو پہلے کی طرح 3.23 روپے فی یونٹ ڈی ایس ایس ادا کرنا پڑے گا۔

انھوں نے کہا ڈی ایس ایس کے بڑھنے کا رسک بھی موجود ہے اور اس کا بوجھ ان صارفین پر پڑے گا جو پہلے ہی سسٹم میں نقائص کی قیمت ادا کر رہے ہیں۔

دوسری جانب ماہرین کو خدشہ ہے کہ گردشی قرضہ مسلسل بڑھتا رہے گا اور چند سالوں میں ایک اور ایسا ہی منصوبہ یا پھر براہِ راست ٹیکس دہندگان کے پیسے سے مالی امداد درکار ہوگی۔

ڈاکٹر عافیہ کی رائے ہے کہ ملک میں جہاں بجلی کی ترسیل و تقسیم میں نقائص اور چوری ہے جس کی وجہ سے بجلی کے شعبے میں گردشی قرضے بڑھتے ہیں تو اس کے ساتھ بجلی کی کھپت میں ہونے والی کمی کہ وجہ سے کپیسیٹی پیمنٹ کی ادائیگی بہت بڑا مسئلہ ہے۔

انھوں نے کہا کہ لوگ زیادہ تر سولر کی طرف آ رہے ہیں اور صنعتی شعبوں میں بھی کھپت نہیں ہو رہی جس کا مطلب ہے کہ کپیسیٹی پیمنٹ کی ادائیگی زیادہ کرنا پڑے گی جو بجلی کے ٹیرف میں کمی نہیں ہونے دے گی۔

’ملک میں اس وقت 46000 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کی گنجائش ہے جبکہ زیادہ سے زیادہ ڈیمانڈ 30000 ہزار میگاواٹ سے بھی کم ہوئی ہے۔۔۔ جس کا مطلب ہے کہ حکومت کو پاور کمپنیوں کو زیادہ کپیسیٹی پیمنٹ ادا کرنے پڑے گی اور یہ صارفین سے وصول کی جائے گی۔‘

انھوں نے کہا کہ جب تک بجلی کے شعبے میں اصلاحات نہیں ہوتیں اور سسٹم میں نقائص اور چوری نہیں رکتی تب تک سرکلر ڈیٹ کا ایشو برقرار رہے گا۔

وہ متنبہ کرتی ہیں کہ آئی ایم ایف یہ کہہ سکتا ہے کہ ڈی ایس ایس بڑھائیں تاکہ مالی خسارے کو کم کیا جا سکے جو صارفین کو ہی ادا کرنا پڑے گا۔

آئی جی سندھ غلام نبی میمن کا نیا حکم...تھانوں سے تفتیشی افسران کا صفایا!

پولیس اور انصاف دونوں مفلوج

کراچی کے تمام تھانوں میں ایس آئی اوز کا خاتمہ، عوام انصاف کے لیے دربدر!

ضلعی سطح پر صرف سات تفتیشی افسران، دفاتر خالی، فائلیں دھول چاٹنے لگیں

کراچی (رپورٹ: راؤ محمد جمیل) آئی جی سندھ غلام نبی میمن کے ماضی میں انتہائی متنازعہ فیصلوں اور مکمل ناکام حکمت عملی کے بعد انکے شہر بھر کے تمام تھانوں کے شعبہ تفتیش کے ایس آئی اوز کے خاتمے نے محکمہ پولیس اور انصاف کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں پولیس افسران اور عوامی خدمت گاروں کی بڑی تعداد نے مذکورہ فیصلے کو انصاف کے منافی اور محکمہ پولیس کے موارال کے تابوت میں آخری کیل قرار دے دیا مذکورہ آمرانہ فیصلے اور فوری عملدرآمد کے احکامات کے باعث شعبہ تفتیش بکھر کر رہ گیا شہری حصول انصاف کیلئے دربدر ہو گئے سپہ سالار سندھ پولیس کے انکی ریٹائرڈمنٹ کے آخری ایام میں کیے گئے فیصلے کو عوام کیلئے بروقت اور شفاف فراہمی انصاف میں بدترین رکاوٹ اور ملزمان کیلئے نیک فال قرار دیا جا رہا ہے آئی جی سندھ کی جانب سے انکے سپہ سالار سندھ پولیس کی کرسی سنبھالتے ہی اوّل فیصلے گٹکے ماوے اور منشیات فروشی کے خاتمے ، میرٹ پر ایس ایچ اوز اور ایس آئی اوز سمیت دیگر پولیس افسران کی تعیناتی اور تمام تھانوں کی سطح پر سرکاری پولیس فنڈز کی منصانہ تقسیم کے احکامات کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں ناکام حکمت عملی اور انتہائی متنازعہ فیصلوں نے ایک جانب محکمہ پولیس کی کارکردگی کو شدید متاثر کیا تو دوسری جانب مختلف جرائم میں اضافہ اور شہریوں کو حصول انصاف میں سخت دشواری دیکھنے میں آئی شہر بھر کے تھانوں میں سیاسی بنیادوں اور ٹینڈرز کے زیر سایہ تعینات ہونے والے بیشتر ایس ایچ اوز نے محکمہ پولیس اور انصاف کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا جبکہ دیانت دار اور اچھی شہرت کے حامل با کردار پولیس افسران مایوسی کا شکار نظر آتے ہیں پولیس ذرائع کے مطابق جو سپہ سالار اپنی ہی پولیس کو انصاف فراہم نہ کر سکے اسکی جانب سے عوام تک انصاف کی رسائی دیوانے کا خواب ہی ہو سکتا ہے اطلاعات کے مطابق آئی جی سندھ غلام نبی میمن نے خصوصی احکامات کے ذریعے شہر بھر کے تمام تھانوں کے ایس آئی اوز کے خاتمے کے بعد ہر ضلع میں 7 تفتیشی افسران تعینات کر دیئے ماضی میں تمام ایس ایچ اوز اور تھانوں میں تعینات پولیس افسران اندراج مقدمہ اور تفتیش کی ذمہ داریاں بھی ادا کرتے تھے بعد ازاں شہریوں کو فراہمی انصاف اور مقدمات کی شفاف تحقیقات کو مدنظر رکھتے ہوئے پولیس میں الگ سے شعبہ تفتیش متعارف کرایا گیا اور تمام تھانوں میں ایس آئی اوز مقرر کر دیئے گئے آپریشن پولیس مقدمہ کے اندراج کے بعد ایف آئی آرز متعلقہ تھانے کے شعبہ تفتیش کے حوالے کر دیتے تھے جس کے بعد فوری طور پر تفتیش کے عمل کا آغاز ہو جاتا تھا تاہم آئی جی سندھ غلام نبی میمن نے تمام تھانوں میں تعینات ایس آئی اوز کو ہٹانے اور ضلعی سطح پر تفتیشی افسران تعینات کرنے کے نا صرف تحریری احکامات جاری کیے بلکہ اس فیصلے پر فوری درآمد بھی کیا گیا پولیس ذرائع کے مطابق شہر قائد کے ہر ضلع میں 7 تفتیشی افسران خدمات سرانجام دینگے اور ہر تفتیشی افسر کو مختلف نوعیت کے مقدمات کی جانچ کی ذمہ داری دی گئی ہے یعنی قتل اقدام قتل اور سنگین مقدمات کی تفتیش کیلئے ایک پولیس افسر کو ذمہ داری دی گئی ہے جبکہ معمولی لڑائی جھگڑے، منشیات فروشی، چوری ڈکیتی اور دیگر مقدمات کی تفتیش بھی ضلعی سطح پر تعینات دیگر تفتیشی افسران میں تقسیم کر دی گئی ضلع کے تمام تفتیشی افسران تھانوں کی بجائے ایک مرکزی دفتر میں ذمہ داریاں سرانجام دینگے اس سے قبل کسی بھی تھانے میں مقدمہ درج ہونے کے بعد چند منٹ میں Fir تفتیشی افسر جو کہ تھانے میں ہی موجود ہوتے تھے انکے حوالے کر دی جاتی تھی جسکے فوری بعد ملزمان کی گرفتاری اور فوری تفتیش کا عمل شروع ہو جاتا تھا اب ہر تھانہ مقدمہ کے اندراج کے بعد Fir ضلعی سطح پر قائم 7 رکنی تفتیشی افسران کی ٹیم کو بھیجے گا جس کے بعد نوعیت مقدمہ کے تحت متعلقہ تفتیشی افسران کے حوالے کی جائے گی اور وہ اپنے عملے کی مدد سے جو مختلف تھانوں میں تعینات ہوگا تفتیش اور ملزمان کے خلاف کاروائی کا آغاز کرے گا پولیس ذرائع کے مطابق شعبہ تفتیش میں مذکورہ تبدیلی سے عام متاثرین کو دشواری جبکہ ملزمان کو فائدہ پہنچنے کے قوی امکانات ہیں دوسری جانب اپنے علاقے میں ہی قائم تھانے سے انصاف اور قانونی مدد حاصل کرنے والے عام شہریوں کو ضلع بھر میں دربدر ہونا پڑے گا پولیس ذرائع کے مطابق آئی جی سندھ کے احکامات کے بعد ضلعی سطح پر تعینات کیے گئے افسران کو دفاتر کے قیام سے قبل ہی فوری ذمہ داریاں ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس سے شہر بھر میں تفتیش اور فراہمی انصاف کا نظام مفلوج ہو کر رہ گیا ہے اس سلسلے میں ضلعی سطح پر تعینات کیے گئے بعض پولیس افسران کا کہنا ہے کہ انہیں دفاتر کیلئے عمارتیں تو فراہم کر دیں گئیں ہیں تاہم دفاتر کی تزئین و آرائش اور فرنیچر کی ذمہ داری انہیں اپنی مدد آپ کے تحت سرانجام دینی پڑ رہی ہیں انھوں نے بتایا کہ بعض دفاتر سے سابق پولیس افسران اور انکا عملہ بجلی کی تاریں ، بورڈ اور بٹن تک نوچ کر لے گئے ہیں اگر تفتیشی افسر مذکورہ لاکھوں روپے کے اخراجات اپنی جیب سے ادا کرینگے تو شہریوں کو میرٹ پر کیسا انصاف فراہم کرینگے اس کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے دوسری جانب آئی جی سندھ کے مذکورہ احکامات نے شہر بھر کے ایس ایچ اوز اور تفتیشی افسران کے علاوہ ایس ایس پی آپریشن اور ایس ایس انویسٹی گیشن سمیت دیگر پولیس افسران کے علاوہ نظام انصاف کو فوری طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا ہے بعض پولیس افسران آئی جی سندھ کے مذکورہ احکامات کو فوری انصاف اور میرٹ کے خلاف آمرانہ اقدامات قرار دے رہے ہیں واضح رہے کہ آئی جی سندھ غلام نبی میمن نے اپنی تعیناتی کے بعد پہلا حکم گٹکے ماوے مافیا کے خاتمے کا جاری کیا تھا اس سلسلہ میں تمام تھانیداروں کو احکامات جاری کرنے کے علاوہ خصوصی پولیس ٹاسک فورس بھی قائم کی گئی تھی تاہم گٹکے ماوے کے چند کارخانے کی بندش کیلئے سرگرداں پولیس کی کارکردگی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب شہر بھر میں گلی گلی محلے محلے گٹکے ماوے کے کارخانے گھروں میں قائم ہیں بلکہ اسکی آزادانہ خرید و فروخت بھی جاری ہے دوسری جانب آئی جی سندھ غلام نبی میمن ایس ایچ اوز اور ایس آئی اوز کے علاوہ دیگر پولیس افسران کی میرٹ اور مثبت کردار پر تعیناتی کے اپنے ہی احکامات پر عمل درآمد میں مکمل طور پر ناکام رہے جبکہ تھانوں کی سطح تک سرکاری پولیس فنڈز کی منصفانہ تقسیم سمیت دیگر احکامات پر بھی تا حال عمل نہیں ہوا، ایس ایچ اوز کی تعیناتی کے لئے امتحان اور انٹرویو میں کامیاب پولیس افسران کی بڑی تعداد آج بھی میرٹ پر تعیناتی کی منتظر ہے جبکہ شہر بھر کے تھانوں پر منفی شہرت، سیاسی اثر و رسوخ کے حامل اور ٹینڈرز زدہ ایس ایچ اوز کا راج ہے جسکی وجہ سے شہر بھر میں اسٹریٹ کرائمز اور دیگر جرائم میں بھی مسلسل اضافہ دیکھنے میں آیا ہے حال ہی میں عدالتی احکامات کے بعد آئی جی سندھ غلام نبی میمن کے گریجویٹ پولیس افسران کو ایس ایچ اوز کو تھانوں میں تعیناتی کے احکامات بھی تا حال عمل درآمد کے منتظر ہیں

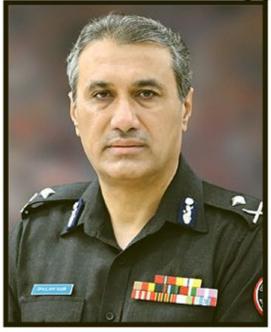

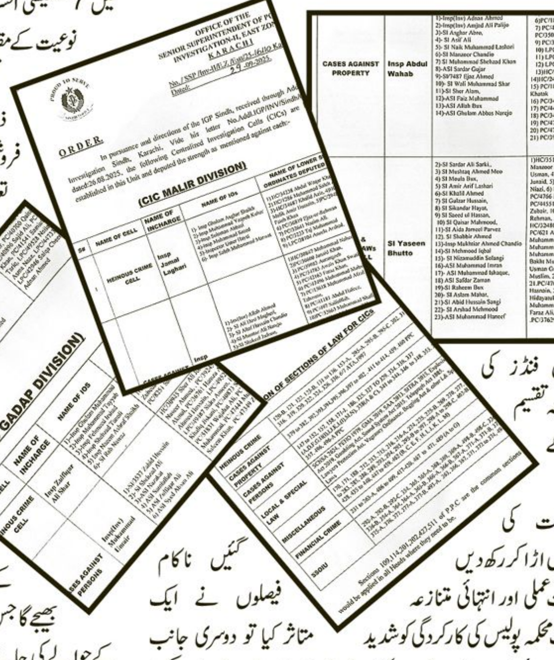

پاکستان کی امریکہ سے قربت اور فیلڈ مارشل عاصم منیر ’ڈرائیونگ سیٹ‘ پر:

’ٹرمپ انہیں پسند کرتے ہیں جو وعدے پورے کریں‘

چہرے پر مسکراہٹیں، پُراعتماد انداز اور ایک دوسرے کے لیے تعریفی الفاظ کا استعمال۔۔۔ کیا کچھ برسوں پہلے تک کسی نے سوچا تھا کہ جب پاکستان کے وزیرِاعظم شہباز شریف اپنے ’ایف ایم‘ کے ساتھ وائٹ ہاؤس جائیں گے تو یہ مناظر دیکھنے کو ملیں گے۔

’ایف ایم‘ کا مخفف اکثر انگریزی زبان میں فارن منسٹر (وزیرِ خارجہ) کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں ’ایف ایم‘ سے مراد فیلڈ مارشل عاصم منیر ہیں جو جمعرات کی شب امریکی صدر ٹرمپ اور ان کی ٹیم سے ملاقات کے لیے وزیرِاعظم شہباز شریف کے ہمراہ وائٹ ہاؤس گئے تھے۔

کچھ برسوں پہلے تک ٹرمپ پاکستان پر ’دہشتگردوں کو پناہ دینے‘ کا الزام عائد کرتے تھے اور پھر اپنے پہلے دورِ صدارت میں انھوں نے اس وقت کے پاکستانی وزیرِاعظم عمران خان کو اپنا ’دوست‘ کہا تھا لیکن ان کی حکومت ختم ہونے کے بعد پاکستان اور امریکہ تعلقات ایک بار پھر اُتار چڑھاؤ کا شکار ہو گئے۔ صدر جو بائیڈن کی حکومت میں ان کی کسی بھی پاکستانی رہنما سے فون پر بات یا وائٹ ہاؤس میں ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

لیکن جمعرات کو صدر ٹرمپ پاکستان کے سیاسی اور عسکری رہنماؤں سے ملاقات سے قبل ہی وزیرِاعظم شہباز شریف اور پاکستانی فوج کے سربراہ عاصم منیر کو ’عظیم رہنما‘ اور ’بہترین شخصیات‘ قرار دیتے ہوئے نظر آئے۔

خیال رہے کہ یہ وائٹ ہاؤس میں صدر ٹرمپ کی وزیرِاعظم شہباز شریف سے پہلی ملاقات تھی لیکن وہ اس سے قبل فیلڈ مارشل عاصم منیر سے رواں برس جون میں وائٹ ہاؤس میں ملاقات کر چکے ہیں۔

ہم یہ جاننے کی کوششیں کر رہے ہیں کہ پاکستان اور امریکہ ایک دوسرے سے چاہتے کیا ہیں اور پاکستان کی خارجہ پالیسی میں پاکستانی فوج کے سربراہ کا کیا کردار ہے؟

پاکستان اور امریکہ ایک دوسرے سے کیا توقعات رکھتے ہیں؟

صدر ٹرمپ اور پاکستانی رہنماؤں کے درمیان ملاقات کے بعد وزیرِاعظم ہاؤس سے جاری ہونے والے بیان میں کہا گیا کہ شہباز شریف نے امریکی کمپنیوں کو پاکستان کے زرعی، معدنیات اور توانائی سے متعلق شعبوں میں سرمایہ کاری کی دعوت دی۔

پاکستان کے وزیرِاعظم ہاؤس کے مطابق اس ملاقات میں خطے کی صورتحال اور انسدادِ دہشتگردی میں تعاون کی بات بھی کی گئی۔

صدر ٹرمپ رواں برس مئی میں پاکستان اور انڈیا کے درمیان جنگ رُکوانے کا سہرا اپنے سر سجاتے رہے ہیں اور وائٹ ہاؤس میں ملاقات کے دوران پاکستانی رہنماؤں نے پاکستان انڈیا کے مابین جنگ روکنے اور قیامِ امن کے لیے صدر ٹرمپ کی کوششوں کا اعتراف کرتے ہوئے اُنھیں ’مین آف پیس‘ قرار دیا۔

اس بیان سے یہ واضح نہیں ہو رہا کہ صدر ٹرمپ اور پاکستانی رہنماؤں کی ملاقات میں ہوا کیا تاہم تجزیہ کاروں اور پاکستان کی خارجہ پالیسی میں آنے والی حالیہ تبدیلیوں سے واقف افراد کا کہنا ہے کہ دونوں ممالک کو ایک دوسرے کی ضروریات کا علم ہے اور دونوں ہی اپنے مقاصد پر توجہ مرکوز کیے ہوئے ہیں۔

صدر ٹرمپ کی دنیا بھر میں نایاب معدنیات میں دلچسپی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں اور پاکستان کا دعویٰ ہے کہ اس کے پاس یہ معدنی ذخائر موجود ہیں۔

رواں مہینے یو ایس سٹریٹیجک میٹلز (یو ایس ایم ایم) نے پاکستان میں معدنیات کے شعبے میں 50 کروڑ ڈالر کی سرمایہ کاری یادداشت پر بھی دستخط کیے ہیں۔

امریکہ میں مقیم ماہرِ خارجہ امور سحر خان کہتی ہیں کہ ’صدر ٹرمپ لین دین پر یقین رکھتے ہیں اور انھیں پاکستان میں نایاب معدنیات نظر آ رہی ہیں اور دونوں ممالک اسی پر تعاون کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔‘

انھوں نے بی بی سی اردو کو بتایا کہ ’میرے خیال میں امریکہ کے ساتھ تعاون کرنا پاکستان کے مفاد میں بھی ہے۔‘

تاہم ان کا کہنا ہے کہ امریکہ کو معدنیات تک رسائی دینے کے معاملے میں پاکستان کو محتاط رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ ’ہمیں تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ معدنیات نکالتے وقت مقامی آبادیوں کو فائدہ نہیں دیا جاتا اور پاکستان میں معدنیات کے زیادہ تر ذخائر ہیں بھی بلوچستان میں جو دہائیوں سے شورش کا شکار ہے۔‘

فیلڈ مارشل عاصم منیر اور وزیرِاعظم شہباز شریف کی صدر ٹرمپ سے ملاقات کے بعد جاری ہونے والے بیان سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ ان شخصیات نے کس معاملے پر زیادہ بات کی۔

ماضی میں امریکہ اور اقوامِ متحدہ میں بطور پاکستانی سفیر خدمات انجام دینے والی ملیحہ لودھی کہتی ہیں کہ ’اس ملاقات سے دونوں ممالک کے تعلقات میں مزید بہتری آئے گی اور یہ تعلقات بظاہر ایک نئے اور مثبت فیز میں داخل ہو رہے ہیں۔‘

تاہم انھوں نے کہا کہ ’یہ بات اب تک واضح نہیں کہ امریکہ پاکستان سے کیا چاہتا ہے کیونکہ وائٹ ہاؤس میں ملاقات کے بعد پاکستان کی طرف سے جاری ہونے والے اعلامیے میں کچھ نہیں بتایا گیا کہ وہاں بات چیت کیا ہوئی۔‘

وائٹ ہاؤس میں ہونے والی ملاقات اور دونوں ممالک کی ایک دوسرے سے توقعات جاننے کے لیے ہم نے واشنگٹن میں مقیم خارجہ امور کے ماہرین سے بات کی۔

انڈیا، پاکستان تعلقات، مشرقِ وسطیٰ اور ایران

پاکستان مئی میں مسلح تنازع کے بعد متعدد مرتبہ انڈیا کو مذاکرات کی پیشکش کر چکا ہے اور اس نے امریکہ سے ثالث کا کردار ادا کرنے کی درخواست بھی کی تھی۔

کچھ تجزیہ کار سمجھتے ہیں کہ پاکستان اور امریکہ کے درمیان تعلقات میں بہتری کا اثر نہ صرف جنوبی ایشیا بلکہ مشرقِ وسطیٰ میں بھی پڑے گا۔

سابق امریکی سفارت کار الیزبتھ تھریلکڈ نے بی بی سی کو بتایا کہ ’نئی دہلی میں سیاسی حساسیت پاکستان اور انڈیا کے درمیان کسی بھی قسم کے امریکی کردار کے امکان کو رد کرنے کا باعث بنے گی۔‘

’لیکن جو امریکہ کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ فریقین (انڈیا اور پاکستان) کے درمیان پرائیوٹ چینلز کے ذریعے بات چیت شروع کروا سکتا ہے۔‘

امریکہ اور انڈیا کے تعلقات ابھی زیادہ اچھے نظر نہیں آتے اور امریکی صدر نے انڈیا کے روسی تیل خریدنے کی وجہ سے اس پر 50 ٹیرف عائد کر رکھا ہے۔

لیکن امریکہ میں نیو لائنز انسٹیٹیوٹ سے منسلک کامران بخاری کہتے ہیں کہ ’اگر میں پاکستان رہنماؤں کی جگہ ہوتا تو یہ جاننے کی کوشش کرتا کہ صدر ٹرمپ کے دماغ میں کیا چل رہا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ حقیقت یہ ہو کہ انڈیا اور امریکہ کے تعلقات بہتری کی طرف جانے والے ہوں۔‘

وہ کہتے ہیں پاکستان کے لیے مشرق محاذ اس وقت زیادہ اہم نہیں کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ انڈیا سے ان کے کیسے تعلقات ہیں اور کبھی وقت پڑنے پر ’امریکہ دونوں ممالک کے درمیان درجہ حرارت کم بھی کروا سکتا ہے۔‘

ان کے مطابق امریکہ کو شاید مغربی محاذ پر پاکستان کی ضرورت پڑے۔

’امریکہ کے لیے ایران ایک بڑا مسئلہ ہے اور امریکہ کے لیے یہ اچھا ہوگا کہ وہ پاکستان کے ساتھ مل کر ایرانی مسئلے کا کوئی حل نکال سکے۔‘

وہ مزید کہتے ہیں کہ ’اس کے بدلے میں پاکستان کو بلوچستان میں بلوچ علیحدگی پسندوں اور دیگر علاقوں میں کالعدم تحریکِ طالبان پاکستان سے لڑنے میں مدد مل سکتی ہے۔‘

ایلزبتھ تھرلکلڈ اور کامران بخاری دونوں ہی یہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ کو اندازہ ہے کہ مشرقِ وسطیٰ کے معاملات میں پاکستان کردار ادا کر سکتا ہے۔

کامران بخاری کہتے ہیں کہ ’وائٹ ہاؤس میں صدر ٹرمپ اور پاکستانی رہنماؤں کے درمیان ملاقات میں مشرقِ وسطیٰ پر ضرور بات چیت ہوئی ہوگی۔‘

ان کا کہنا ہے کہ ’میرے لیے ماننا تھوڑا مشکل ہے کہ پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان ہونے والا معاہدہ امریکہ کو آگاہ کیے بغیر ہوا ہو۔‘

دوسری جانب سابق امریکی سفارت کار ایلزبتھ تھرلکلڈ کہتی ہیں کہ ’صدر ٹرمپ نے اس ہفتے عرب مسلم ممالک سے بات چیت کے دوران پاکستانی رہنماؤں سے بھی بات چیت کی تھی اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واشنگٹن خطے میں پاکستان کے دیگر ممالک سے تعلقات کی قدر کرتا ہے۔‘

’خاص طور پر پاکستان اور سعودی عرب کے دفاعی معاہدے کے تناظر میں اگر آپ صورتحال کو دیکھیں تو بظاہر ایسا لگتا ہے کہ پاکستان مشرقِ وسطیٰ میں ایک نمایاں کردار ادا کرے گا۔ ایک ایسا کردار جو امریکہ کے بھی کام آ سکتا ہے۔‘

’فیلڈ مارشل اپنے پیشروؤں سے مختلف ہیں‘

فیلڈ مارشل عاصم منیر کے عہدے کا مخفف بھی ’ایف ایم‘ ہے لیکن وہ وزیرِ خارجہ نہیں بلکہ پاکستانی فوج کے سربراہ ہیں۔ حالیہ برسوں میں وہ متعدد ممالک کا دورہ کرتے ہوئے نظر آئے ہیں۔ ان دوروں پر وہ کبھی وزیرِ اعظم شہباز شریف سمیت دیگر حکومتی شخصیات کے ہمراہ نظر آئے اور کبھی تنہا۔

فیلڈ مارشل عاصم منیر وہ پہلی پاکستانی شخصیت تھے جنھوں نے رواں برس جون میں امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ سے وائٹ ہاؤس میں ملاقات کی تھی۔

رواں برس مئی میں انڈیا کے ساتھ تنازع کے بعد فیلڈ مارشل عاصم منیر نے وزیرِ اعظم شہباز شریف کے ہمراہ خلیجی ممالک اور وسطی ایشیا کے ممالک کا دورہ کیا تھا۔ جولائی میں ایک کور کمانڈر کانفرنس کے دوران انھوں نے ان دوروں کے دوران ہونے والی ملاقاتوں کو ’کامیاب سفارت کاری‘ قرار دیا تھا۔

اس کے علاوہ وہ رواں مہینے کے اوائل میں چین میں شنگھائی تعاون تنظیم کے اجلاس میں بھی وزیرِ اعظم شہباز شریف اور دیگر حکومتی شخصیات کے ساتھ نظر آئے تھے۔

پاکستان میں دہائیوں سے یہ باتیں کی جاتی رہی ہیں کہ فوج ملک کی خارجہ پالیسی میں مداخلت کرتی رہی ہے۔

لیکن حالیہ مثالوں کی روشنی میں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وزیرِ اعظم شہباز شریف کی حکومت نے پاکستانی فوج کے سربراہ کے خارجہ پالیسی میں کردار کو تسلیم کر لیا ہے۔

کچھ روز قبل ایک پاکستانی وزیر نے بی بی سی اردو کو بتایا تھا کہ ’وزیرِ اعظم شہباز شریف اور فیلڈ مارشل (عاصم منیر) کی ٹیم نے مل کر ثابت کیا کہ ہم ایک ذمہ دار ملک ہیں۔‘

پاکستانی وزیرِ مملکت برائے داخلہ طلال چوہدری نے کہا تھا کہ ’پاکستان کی سفارت کاری اس وقت عروج پر ہے۔ ہمارے امریکہ، مغربی ممالک، خلیجی ممالک اور چین سب سے بہتر تعلقات ہیں۔‘

پاکستان میں سول، ملٹری تعلقات پر نظر رکھنے والے افراد بھی خارجہ پالیسی میں فوج کے اثر و رسوخ کو تسلیم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ماضی میں امریکہ اور اقوامِ متحدہ میں پاکستانی سفیر کی حیثیت سے کام کرنے والی ملیحہ لودھی کہتی ہیں کہ ’پاکستان کی خارجہ پالیسی ہمیشہ سلامتی کے ارد گرد گھومتی رہی ہے اور اسی لیے فوج کا اس میں کردار رہا تاہم اب فرق یہ ہے کہ فوج اب نہ صرف خارجہ پالیسی ترتیب دیتی ہے بلکہ اسے کنٹرول بھی کرتی ہے۔‘

ملیحہ لودھی مزید کہتی ہیں کہ ’یہ واضح ہے کہ فیلڈ مارشل عاصم منیر ڈرائیونگ سیٹ پر ہیں اور سویلین حکومت ان کی جونیئر پارٹنر ہے۔‘

’فوج کے سربراہ کا خارجہ پالیسی میں اب ہائی پروفائل اور پبلک کردار ہے جس کی عکاسی وزیرِ اعظم شہباز شریف کے ہمراہ ان کے غیر ملکی دورے بھی کرتے ہیں۔‘

ملیحہ لودھی کے علاوہ دیگر مبصرین بھی اس بات سے اتفاق کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

امریکی میں مقیم ماہر برائے سکیورٹی امور سحر خان کے مطابق وائٹ ہاؤس میں وزیرِ اعظم شہباز شریف اور فیلڈ مارشل عاصم منیر کی موجودگی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ’حکومت اور فوج کے درمیان تعلقات اچھے ہیں۔‘

انھوں نے مزید کہا کہ صدر ٹرمپ کے ساتھ ملاقات کے دوران فیلڈ مارشل عاصم منیر کی موجودگی ان کے لیے اچنبھے کی بات نہیں تھی کیونکہ ’میرے خیال میں یہ کوئی راز نہیں کہ پاکستان میں فوج ہی تمام امور خصوصاً خارجہ پالیسی چلاتی ہے۔‘

سحر خان رواں برس جون میں پاکستانی سفارتخانے کی ایک تقریب میں فیلڈ مارشل عاصم منیر سے ملاقات بھی کر چکی ہیں۔ اس دورے کے دوران ہی پاکستانی فوج کے سربراہ نے پہلی مرتبہ امریکی صدر سے ملاقات کی تھی۔

پاکستانی فوج کے سربراہ نے دسمبر 2023 میں بھی امریکہ کا دورہ کیا تھا اور سحر خان کے مطابق ’وہ اس وقت بہت خاموش تھے اور انھوں نے زیادہ بات نہیں کی تھی۔‘

لیکن دو برسوں میں ان کے اندر تبدیلی آئی، جب وہ رواں برس جون میں آئے تو سفارتخانے کی ایک تقریب میں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ بہت پُراعتماد تھے اور ان میں ایک توانائی نظر آ رہی تھی جو مئی میں انڈیا کے ساتھ جنگ کے سبب تھی۔ وہ اب بہت پُراعتماد ہو چکے ہیں۔‘

’وہ امریکہ سے تعلقات رکھنے کے معاملے میں بھی پیشروؤں سے مختلف اور بہت محتاط ہیں۔‘

’ٹرمپ وعدے پورے کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں‘

یہ زیادہ پُرانی بات نہیں کہ ڈونلڈ ٹرمپ انڈین وزیرِ اعظم نریندر مودی کو اپنا ’اچھا دوست‘ کہہ کر مخاطب کرتے تھے اور پھر انھوں نے ہی انڈیا پر 50 فیصد ٹیرف عائد کر دیا۔

امریکہ صدر یہ بھی کہتے تھے کہ روسی صدر سے ان کے اچھے تعلقات ہیں لیکن بعد میں وہ یوکرین کے معاملے پر صدر پوتن پر کڑی تنقید کرتے ہوئے بھی نظر آئے۔

امریکی خارجہ پالیسی اور صدر ٹرمپ کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے والے مبصرین کا کہنا ہے کہ پاکستان کو امریکی صدر کے حوالے سے احتیاط بھی برتنی ہوگی۔

امریکہ میں مقیم تجزیہ کار عزیر یونس نے بی بی سی کو بتایا کہ ’ٹرمپ ایسے ممالک کے ساتھ کام کرنا پسند کرتے ہیں جن کے رہنماؤں سے ان کا ذاتی تعلق ہو، جو ان کی انتظامیہ کے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لیے اپنے وعدوں کو پورا کر سکیں۔‘

ان کا مزید کہنا تھا کہ ’جب تک پاکستان ان (ٹرمپ) کے سامنے اپنی قدر برقرار رکھے گا تب تک یہ تعلق مضبوط رہے گا لیکن اگر کبھی ٹرمپ کو محسوس ہوا کہ پاکستان اپنے وعدے پورے نہیں کر رہا تو وہ پاکستان کے لیے اپنا رویہ تبدیل کرنے میں ایک بار بھی نہیں سوچیں گے۔‘

سابق سفیر ملیحہ لودھی بھی پاکستان کو احتیاط برتنے کا مشورہ دیتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

’ماضی میں تعلقات میں اتار چڑھاؤ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے محتاط رہنے کی ضرورت ہے، ان تعلقات میں ماضی میں بھی بہت بار بلندی دیکھی گئی اور بہت مرتبہ ان میں گراوٹ بھی دیکھی گئی۔‘

اتوار کی شب ایشیا کپ 2025 کی اختتامی تقریب پاکستان اور انڈیا کے بیچ جاری کشیدگی کی صحیح معنوں میں عکاسی کرتی نظر آئی اور شاید اس ٹورنامنٹ کی دہائیوں پر محیط تاریخ میں پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ فاتح ٹیم بِنا ٹرافی حاصل کیے گراؤنڈ سے رخصت ہوئی۔

یاد رہے کہ دبئی میں کھیلے گئے ایشیا کپ کے فائنل میں انڈیا نے 147 رنز کا ہدف آخری اوور میں حاصل کر کے پاکستان کو پانچ وکٹوں سے

کیا گیا ہے کہ انڈین کرکٹ ٹیم آج رات اپنے ایوارڈز نہیں لے گی۔ اس اعلان کے فوراً بعد انھوں نے اختتامی تقریب کے خاتمے کا اعلان کیا۔

خبر رساں ادارے روئٹرز کے مطابق انڈیا کے کپتان سوریہ کمار یادیو نے فائنل سے قبل روایتی پری ٹاس فوٹو شوٹ میں حصہ نہیں لیا تھا اور کرکٹ مبصرین کے مطابق اس سے یہ واضح ہو گیا تھا کہ انڈیا محسن نقوی سے ٹرافی لینے پر خوش نہیں ہو گا۔

جب انڈیا کے کپتان سے میچ کے بعد پریس کانفرنس میں ٹرافی لینے سے انکار اور کھیل میں سیاست کو شامل کرنے کے اُن کے مبینہ اقدامات کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے اس کا جواب دینے سے انکار کیا۔ تاہم بعدازاں انڈین کرکٹ بورڈ، بی سی سی آئی، کے سیکریٹری دیوجیت سائکیا نے کہا کہ کھلاڑی پہلے ہی اس سے متعلق فیصلہ کر چکے تھے کہ وہ محسن نقوی سے ٹرافی وصول نہیں کریں گے۔

انڈین ٹیم کی بغیر ٹرافی روانگی، ’کھیل کے میدان میں آپریشن سندور‘ کے تذکرے پر محسن نقوی کا جواب:

ایشیا کپ کے فائنل کے بعد کیا ہوا؟

شکست دی ہے۔

انڈیا کی جانب سے فائنل میں پاکستان کے خلاف فتح حاصل کرنے کے بعد انڈین وزیراعظم نریندر مودی نے سوشل میڈیا پلیٹ فارم ’ایکس‘ پر لکھا کہ ’کھیل کے میدان میں آپریشن سندور۔ نتیجہ وہی رہا، انڈیا جیت گیا! ہمارے کھلاڑیوں کو مبارکباد۔‘

فائنل کے اختتام پر صورتحال اُس وقت کشیدہ ہوئی جب انڈین کرکٹ ٹیم نے ٹرافی وصول کرنے سے انکار کیا۔ یاد رہے کہ پاکستان کے وزیر داخلہ محسن نقوی کو بطور ایشیئن کرکٹ کونسل کے سربراہ یہ ٹرافی جیتنے والی ٹیم کو پیش کرنا تھی۔

فائنل میچ کی اختتامی تقریب کے میزبان سائمن ڈولنے نے اس موقع پر اعلان کیا کہ انھیں ایشیئن کرکٹ کونسل (اے سی سی) کی جانب سے مطلع

اختتامی تقریب میں پاکستان کے کپتان سلمان علی آغا نے رنز اپ ٹرافی وصول کی جبکہ انڈیا کے تلک ورما، کلدیپ یادیو اور ابھیشیک شرما نے بھی اپنے اپنے انفرادی ایوارڈز وصول کیے۔

ٹرافی کو وصول کرنے کے معاملے پر شروع ہونے والے تنازع کے باعث اختتامی تقریب کا آغاز لگ بھگ ایک گھنٹے کی تاخیر سے ہوا۔

یاد رہے کہ رواں برس مئی میں پاکستان اور انڈیا کے درمیان ہونے والے فوجی تناو؟ کے بعد ایشیا کپ پہلا ٹورنامنٹ تھا جہاں دونوں ملکوں کی ٹیمیں مدِمقابل آئی تھیں۔ انڈیا کا محسن نقوی سے ٹرافی لینے سے انکار دونوں ممالک کے درمیان کرکٹ تعلقات میں تاریخی پستی کی نشاندہی کرتا ہے، ایک ایسے کھیل میں جس نے ماضی میں دونوں ممالک میں سفارتکاری کا کام بھی کیا ہے۔

فائنل کے بعد پریس کانفرنس میں ایک صحافی نے انڈین کپتان سوریہ کمار یادو سے پوچھا کہ آپ کیا کہیں گے کہ تمام سات میچز جیتنے والی ٹیم کو ان کے حق کی ٹرافی نہ دی جائے؟ اس کے جواب میں سوریہ کمار یادو نے کہا کہ ’ہم نے جب سے کرکٹ کھیلنی اور دیکھنی شروع کی ہے ایسا کبھی نہیں دیکھا کہ ایک چیمپیئن ٹیم کو ٹرافی سے محروم رکھا گیا ہو، اور وہ بھی بہت محنت سے جیتی ہوئی۔۔۔ ہم اس کے مستحق تھے اور میں مزید کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ میں نے اچھی طرح سے اس کی ترجمانی کر دی ہے۔‘

انھوں نے مزید کہا کہ ’اگر آپ ٹرافی کی بات کرتے ہیں تو میری ٹرافی میرے ڈریسنگ روم میں ہے اور وہ میرے سارے 14 کھلاڑی اور سپورٹنگ سٹاف ہیں۔‘

اس کے بعد سوریہ کمار یادو نے ایشیا کپ میں کھیلے گئے اپنے ساتوں

میچوں کی فیس انڈین فوج کو عطیہ کرنے کا اعلان کیا۔

میچ کے بعد پریس کانفرنس میں بات کرتے ہوئے پاکستانی کپتان سلمان علی آغا سے جب انڈین ٹیم کی جانب سے ٹرافی نہ لینے کے بارے میں پوچھا گیا تو ان کا کہنا تھا کہ اس ٹورنامنٹ میں جو کچھ ہوا وہ کافی مایوس کُن ہے۔ 'اُن کو لگ رہا ہے کہ وہ ہینڈ شیک نہیں کر رہے، یہ سب کر رہے ہیں، تو وہ ہماری بیعزتی کر رہے ہیں۔ نہیں سر، یہ کرکٹ کی بیعزتی ہے۔'

'جو آج ان لوگوں]انڈین ٹیم[نے کیا، ایک اچھی ٹیم ایسا نہیں کرتی۔ اچھی ٹیمیں ہماری طرح کرتی ہیں، ہم نے اکیلے جا کر ٹرافی کے ساتھ شوٹ کیا۔ اس کے بعد ہم وہاں جا کر کھڑے ہوئے اور اپنے میڈلز لیے۔'

سلمان علی آغا نے کہا ہے انڈین ٹیم کو جو احکامات مل رہے ہیں وہ انھیں کو فالو کر رہے ہیں۔

میچ کے بعد پاکستان کرکٹ بورڈ نے اعلان کیا کہ پاکستانی ٹیم نے ایشیا کپ کے فائنل کی میچ فیس سات مئی کو پاکستان پر انڈین فضائی حملے میں مارے گئے افراد کو دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

'کھیل کے میدان میں آپریشن سندور'

انڈیا کے وزیر اعظم نریندر مودی نے بھی سوشل میڈیا سائٹ 'ایکس' پر انڈین ٹیم کو مبارکباد دیتے ہوئے لکھا کہ 'کھیل کے میدان میں آپریشن سندور۔ یہاں بھی نتیجہ ویسا ہی ہے، انڈیا جیت گیا! ہمارے کرکٹرز کو مبارک ہو۔'

انڈین وزیر اعظم کی جانب سے کی جانے والی اس ٹویٹ پر جہاں بہت سے انڈین صارفین نے اسے سراہا وہاں کچھ نے اسے 'انڈین فوج کی قربانیوں کا مذاق اڑانے کے مترادف' قرار دیا۔

انڈیا کے وزیرِ اعظم کی اس ٹویٹ کے جواب میں پاکستانی وزیر داخلہ محسن نقوی نے لکھا کہ 'اگر آپ کے لیے فخر کا پیمانہ جنگ ہے تو تاریخ پہلے ہی پاکستان کے ہاتھوں آپ کی ذلت آمیز شکستوں کو ریکارڈ کر چکی ہے۔ 'کوئی کرکٹ میچ اس سچ کو بدل نہیں سکتا۔'

محسن نقوی کا مزید کہنا تھا کہ جنگ کو کھیل میں گھسیٹنا صرف مایوسی کو ظاہر کرتا ہے اور اس سے کھیل کی روح متاثر ہوتی ہے۔

نریندر مودی کی ٹویٹ کے جواب میں انڈین پارلیمانی واقلیتی امور کے وزیر کرن ریجو جو نے لکھا کہ 'پاکستان ایسی ہی سزا کا مستحق ہے۔' اور اس کے ساتھ انھوں نے حارث رؤف کی وکٹ اور بمراہ کے جشن کی تصویر شیئر کی ہے۔

لیکن آشیش گپتا نامی ایک صارف نے وزیر اعظم مودی کے ٹویٹ کے جواب میں لکھا کہ 'کرکٹ کی جیت کو آپریشن سندور سے تشبیہ دینا، جہاں ہمارے فوجیوں نے اپنی جانیں قربان کیں، انتہائی بے عزتی ہے۔ یہ صرف بے حسی نہیں ہے، یہ فوجیوں کی عظیم قربانی کو سیاسی نعرے تک محدود کرنا ہے۔ آپ اس سے بہتر کر سکتے ہیں، براہ کرم اس کو ڈیلیٹ کر دیں۔'

اسی طرح سناتن دھرم نے لکھا کہ 'نریندر مودی براہ کرم آپریشن سندور جیسے فوجی آپریشن کا کرکٹ سے تشبیہ دے کر اس کا مذاق نہ اڑائیں، جہاں ہمارے سپاہیوں کی زندگیاں داؤ پر لگی تھیں۔ قومی سلامتی کھیلوں کا استعارہ نہیں ہے۔ اس اصطلاح کو تعریفیں حاصل کرنے کے بجائے اس کے پیچھے دی گئی قربانیوں کا احترام کریں۔'

انڈین سوشل میڈیا پر جہاں انڈیا کی جیت کا جشن منایا جا رہا ہے وہیں تلک ورما کی فاتحانہ اننگز کو سراہتے ہوئے اسے 'آپریشن تلک' کہا جا رہا ہے۔

اسی کے ساتھ سوشل میڈیا پر 'رفال' بھی ٹرینڈ کر رہا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فائنل میچ میں انڈین بولر جسپریت بومرا نے پاکستانی بولر حارث روف کو بولڈ کرنے کے بعد ہاتھ سے طیارہ گرنے کا وہی اشارہ کیا جو اس سے قبل کھیلے گئے میچ میں حارث روف کر چکے تھے۔

انڈیا کی پاکستان کو پانچ وکٹوں سے شکست

اس سے قبل ایشیا کپ کے فائنل انڈیا نے آخری اوور 147 رنز کا ہدف آخری اوور میں حاصل کر کے پانچ وکٹوں سے شکست دے تھی۔

ایونٹ کے فائنل میں انڈین کپتان سوریا کمار یادیو نے ٹاس جیت کر پہلے پاکستان کو بیٹنگ کی دعوت دی تھی۔ پاکستان نے انڈیا کو 147 رنز کا ہدف دیا تھا۔ اوپنرز صاحبزادہ فرحان اور فخر زمان کی جانب سے شاندار آغاز کے بعد پاکستان کی ٹیم لڑکھڑا گئی اور پورے اوورز بھی نہ کھیل سکی۔

پاکستان کی جانب سے سب سے زیادہ صاحبزادہ فرحان 38 گیندوں پر 57 رنز بنائے جبکہ فخر زمان نے 46 رنز سکور کیے۔ انڈیا کی جانب سے کلدیپ یادیو نے چار اوورز میں 30 رنز دے کر چار کھلاڑیوں کو پویلین کی راہ دکھائی۔ جسپریت بمرا، اکشر پٹیل، ورون چکرورتی نے دو، دو وکٹیں حاصل کیں۔

جواب میں انڈیا نے 147 رنز کا ہدف پانچ وکٹوں کے نقصان پر آخری اوور میں حاصل کر لیا۔

انڈیا کی اننگز کا آغاز اچھا نہ تھا اور اس کے تین کھلاڑی 20 رنز کے سکور پر پویلین لوٹ گئے۔ تاہم اس کے بعد انڈیا کے مڈل آرڈر نے ٹیم کو سہارا دیا۔ تلک ورما نے 69 رنز کی ناقابلِ شکست اننگز کھیلی۔ ان کے علوہ شیوم دوبے نے 33 اور سنجو سیمسن نے 24 رنز بنائے۔ پاکستان کے فہیم اشرف نے تین وکٹیں حاصل کیں جبکہ ابرار احمد اور شاہین شاہ آفریدی نے ایک، ایک وکٹ حاصل کی جبکہ فاسٹ باؤلر حارث رؤف نے 3.4 اوور میں 50 رنز دیے اور کوئی وکٹ حاصل نہ کر سکے۔

پاکستان اور انڈیا کے فائنل میچ میں بھی ٹاس کے دوران دونوں ٹیموں کے درمیان ہینڈ شیک نہیں ہوا تھا جبکہ ٹاس کے دوران روی شاستری نے سوریا کمار یادیو جبکہ وقار یونس نے سلمان علی آغا سے بات کی۔ فائنل سے قبل دونوں ٹیموں کے کپتانوں کے شوٹ میں بھی سوریا کمار یادیو نہیں آئے اور سلمان علی آغا نے ہی ٹرافی کے ساتھ تصویر بنوائی۔

سلمان علی آغا نے سنیچر کو پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ اُنھیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اگر انڈین کپتان فوٹو شوٹ میں نہیں آتے۔ سلمان علی آغا نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ جب سے کرکٹ کھیل رہے ہیں، یہ پہلا موقع ہے کہ دونوں ٹیموں کے درمیان ہینڈ شیک نہیں ہوا۔

شہید بے نظیر آباد:

بدحال سڑکیں، کھلے گٹر اور انکروچمنٹ

عوامی زندگی اجیرن

تحریر: ڈاکٹر راحیل راٹھور
بیورو چیف شہید بے نظیر آباد

حالیہ برساتوں نے شہید بے نظیر آباد (نواب شاہ) کے انفراسٹرکچر کی قلعی کھول دی ہے۔ سڑکوں کی ٹوٹ پھوٹ، بے ترتیب بلاکس، کھلے گٹروں کے ڈھکن، انکروچمنٹ اور ٹریفک کے سنگین مسائل نے عوام کی زندگی اجیرن بنادی ہے۔ شہریوں کے لیے ٹریفک میں چلنا بھی ایک عذاب ہے اور ہر روز حادثات کی خبریں معمول بن گئی ہیں۔

سڑکوں کی ٹوٹ پھوٹ اور بلاکس کا عذاب

شہر کی بیشتر شاہراہیں جگہ جگہ سے اکھڑ چکی ہیں۔ جہاں مرمت کی گئی ہے، وہاں بلاکس اس قدر بے ترتیب لگے ہیں کہ سہولت کے بجائے شہریوں کے لیے وبال جان بن گئے ہیں۔ کسی جگہ بلاک اونچے ہیں، کسی جگہ نیچے، اور جہاں دو سڑکیں آپس میں ملتی ہیں وہاں اونچ نیچ اس حد تک ہے کہ موٹر سائیکل، رکشہ اور سائیکل سوار روزانہ حادثات کا شکار ہوتے ہیں۔

*** کھلے گٹر اور جان لیوا ڈھکن ***

شہر میں سب سے بڑا خطرہ گٹروں کے ڈھکن ہیں۔ کئی جگہوں پر لوہے کے بجائے لکڑی کے ڈھکن رکھ دیے گئے ہیں جو معمولی دباؤ سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ کئی ڈھکن سڑک سے آدھا فٹ یا ایک فٹ تک اونچے ہیں، جو حادثات اور گاڑیوں کے ٹائر پھٹنے کا باعث بنتے ہیں۔

یہ صورتحال صرف حادثات تک محدود نہیں بلکہ ہر سال کئی بچے ان کھلے یا بے ترتیب گٹروں میں گر کر اپنی جان کی بازی ہار دیتے ہیں۔ گزشتہ سال بھی ایسے المناک واقعات رپورٹ ہوئے جنھوں نے والدین اور اہلِ علاقہ کو غم و غصے میں مبتلا کردیا۔

انکروچمنٹ اور ٹریفک کا عذاب

انفراسٹرکچر کی بدحالی کے ساتھ ساتھ انکروچمنٹ نے بھی عوام کی زندگی اجیرن بنادی ہے۔ دکانداروں نے اپنی دکانوں سے آگے 10 سے 15 فٹ تک جگہ گھیر رکھی ہے۔ بے ترتیبی سے کھڑی گاڑیاں اور ریڑھیاں سڑکوں کو مزید تنگ کر دیتی ہیں۔ اس صورتحال میں اگر کسی شہری کو ایمرجنسی میں اسپتال پہنچنا ہو، یا والدین کو اسکول سے بچوں کو لینے جانا ہو، تو وہ گھنٹوں ٹریفک میں پھنسے رہتے ہیں۔

ہیوی گاڑیوں کی آزادانہ آمدورفت

شہر کے ٹریفک مسائل میں اضافہ کرنے والا ایک اور بڑا عنصر دن کے اوقات میں ہیوی گاڑیوں کی آزادانہ آمدورفت ہے۔ بڑے کنٹینرز، ٹرک اور ٹریکٹر ٹرالیوں کو کسی بھی وقت شہر میں داخل ہونے کی اجازت مل جاتی ہے۔ یہ گاڑیاں نہ صرف ٹریفک جام کا باعث بنتی ہیں بلکہ حادثات کے امکانات کو بھی کئی گنا بڑھا دیتی ہیں۔ شہریوں کا کہنا ہے کہ ٹریفک پولیس کی نااہلی کی وجہ سے ان گاڑیوں پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جاتی، جس کے سبب صورتِ حال مزید سنگین ہو رہی ہے۔

پولیس لائن کی ابتر صورتحال

حیرت انگیز طور پر صرف عوامی علاقے ہی نہیں بلکہ پولیس لائن کی حالت بھی انتہائی ابتر ہے۔ جہاں قانون نافذ کرنے والے اہلکار اور ان کے خاندان رہائش پذیر ہیں، وہاں چاروں طرف بارش کا پانی جمع رہتا ہے، سڑکیں اور گٹر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں اور صفائی ستھرائی کا نام و نشان نہیں۔ پولیس اہلکاروں کے بچے اس آلودہ ماحول کی وجہ سے مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

دنیا بھر میں پولیس لائن کو صاف ستھرا اور محفوظ علاقہ سمجھا جاتا ہے، لیکن شہید بے نظیر آباد کی پولیس لائن عام آبادیوں سے بھی زیادہ گندی اور خستہ حال نظر آتی ہے۔ یہ صورتحال نہ صرف عوام بلکہ محافظوں کے خاندانوں کیلئے بھی تشویشناک ہے۔

شہریوں کی مشکلات اور جائیدادوں کی تباہی

بلاکس کی اونچ نیچ اور غیر معیاری تعمیر نے شہریوں کی زندگی مزید مشکل بنا دی ہے۔ کئی مقامات پر سڑکوں کو بلاک لگا کر اونچا کیا گیا ہے، جس سے گلیاں اور گھروں کے داخلی راستے نیچے ہو گئے ہیں۔ نتیجتاً بارش کا پانی گھروں میں داخل ہو جاتا ہے اور لوگوں کی قیمتی جائیدادیں اور اثاثے برباد ہو رہے ہیں۔ شہریوں کا کہنا ہے کہ اس صورتحال نے ان کی پراپرٹی کی قیمتوں کو بھی بری طرح متاثر کیا ہے۔

عوامی مطالبہ

شہریوں نے مطالبہ کیا ہے کہ فوری طور پر ان مسائل پر توجہ دی جائے۔ سڑکوں کی مرمت کی جائے، بلاکس درست سطح پر لگائے جائیں، گٹروں کے معیاری ڈھکن نصب کیے جائیں، انکروچمنٹ کے خلاف کارروائی کی جائے، ہیوی گاڑیوں کو دن کے اوقات میں شہر میں داخل ہونے سے روکا جائے اور پولیس لائن کو بھی دیگر شہروں کی طرز پر صاف ستھرا اور معیاری بنایا جائے۔ ورنہ نواب شاہ کے ٹریفک مسائل، حادثات اور بدحالی میں مزید اضافہ ہوگا۔

IC-423 ہائی جیکنگ

پاکستانی کمانڈوز کا وہ آپریشن جس پر انڈیا نے جنرل ضیا کا شکریہ ادا کیا

29 ستمبر 1981 کو تیجندر پال سنگھ، ستنام سنگھ، گجند رسنگھ، کَرن سنگھ اور جسبیر سنگھ چیمہ انڈیا ایئر کی پرواز آئی سی 423 میں سوار ہوئے تو اُن کے پاس اسلحہ نہیں تھا۔

دلی سے پرواز بھرنے والے اِس طیارے کی منزل سری نگر تھی۔ مسافر طیارے کے پرواز بھرنے کے کچھ ہی دیر بعد گجندر اور جسبیر کاک پٹ کے قریب موجود بیت الخلا کے پاس کھڑے ہو گئے اور جُوں ہی ایئر ہوسٹس پائلٹوں کے لیے کاک پٹ میں چائے لے کر جانے لگیں تو وہ بھی تیزی سے اندر داخل ہو گئے۔

یہ دیکھ کر باقی تین افراد یعنی تیجندر، ستنام، اور کَرن طیارے کی راہداری میں کھڑے ہو کر 'خالصتان زندہ باد' کے نعرے لگانے لگے۔

اس طیارے پر موجود ایک مسافر ولیم سیکو نے بعد میں خبر رساں ادارے 'ایسوسی ایٹڈ پریس' کو بتایا کہ جہاز میں انھوں نے ایک شخص کو چار دیگر افراد کے پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھا۔

'میں نے سوچا کہ وہ اسے پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن وہ پانچوں ہائی جیکرز تھے جو دراصل عملے کی جانب لپک رہے تھے۔ اُن کے پاس چاقو تھے۔ انھوں نے بیگ لٹکا رکھے تھے اور ان کے ہاتھ اس طرح ان کے اندر تھے جیسے اُن میں بم ہوں۔'

سیکو کا کہنا تھا کہ 15 منٹ کے اندر ہائی جیکر طیارے کا کنٹرول سنبھال چکے تھے۔

انڈیا میں کشیدگی پچھلے نو، دس دن سے چل رہی تھی۔ انڈین پنجاب کی پولیس سکھ رہنما جرنیل سنگھ بھنڈراں والا کو لالا جگت نارائن نامی شخص کے قتل کیس میں گرفتار کرنا چاہتی تھی۔

20 ستمبر 1981 کو جب سکھ رہنما بھنڈراں والا نے گرفتاری دینے کا فیصلہ کیا تو اِس موقع پر پولیس تشدد کے نتیجے میں احتجاجی مقام پر 20 سے زیادہ سکھوں کی ہلاکت ہوئی تھی۔

بعدازاں ہائی جیکرز میں ایک یعنی تیجندر سنگھ نے 'ہفنگٹن پوسٹ' کی نمائندہ رچنا کھیرا کو ایک انٹرویو میں بتایا کہ 'میں نے مہتا چوک میں بہت خون ریزی دیکھی۔ سکھوں کو گھسیٹ کر قریبی کھیتوں میں لے جایا گیا اور گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔'

'پولیس نے اُن کی لاشیں بھی اٹھا لیں اور نامعلوم افراد کے طور پر ان کی آخری رسومات ادا کی گئیں۔ اس پر میں بہت مشتعل ہوا اور اسی لیے جب میرے رہنماؤں نے جہاز کو ہائی جیک کرنے کا کہا تو میں نے آسانی سے 'پنتھ سیوا' (مذہبی فرض) ادا کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی۔'

تیجندر نے مزید بتایا کہ انھوں نے طیارہ ہائی جیک کرنے کا انتخاب اس لیے کیا کیونکہ انھیں خدشہ تھا کہ پولیس بھنڈراں والا کو حراست میں ہلاک کر سکتی ہے۔

انڈین ایئر لائنز کی پرواز 423 پر سوار پانچوں ہائی جیکروں نے پہلے بھی دو بار اسی فضائی راستے پر سفر کیا تھا۔ جوں ہی جہاز نے ٹیک آف کیا تو وہ سب اپنی اپنی طے شدہ ڈیوٹی پر چلے گئے۔

ایک اور ہائی جیکر ستنام سنگھ نے 'ہفنگٹن پوسٹ' کی نمائندہ رچنا کھیرا کو بتایا کہ 'دو ساتھیوں نے کاک پٹ کا چارج سنبھال لیا اور میں نے دو دیگر ساتھیوں کے ساتھ مسافروں کے کیبن کا کنٹرول سنبھال لیا۔'

طیارے کا رُخ لاہور کی طرف موڑ دیا گیا

وہاں سے لاہور دور ہی کتنا تھا۔ ٹیک آف کے کچھ ہی دیر بعد یعنی پاکستانی وقت کے مطابق دوپہر ڈیڑھ بجے ہائی جیک ہونے والا طیارہ لاہور میں لینڈ کر گیا۔

'دی ہندو' اخبار سے منسلک صحافی سہاسنی حیدر کے مطابق یہ خبر سامنے آتے ہی دلی میں کیبنٹ سیکریٹری نے کرائسس مینجمنٹ کمیٹی کا اجلاس طلب کر لیا۔

اپنے ایک مضمون میں وہ لکھتی ہیں کہ 'اس کے فوراً بعد پاکستان میں انڈیا کے ہائی کمشنر کنور نٹور سنگھ]جو بعد میں انڈیا کے وزیر خارجہ بنے[نے لاہور ایئر ٹریفک کنٹرول سے تصدیق کی کہ آیا ہائی جیک ہونے والا انڈیا مسافر طیارہ وہاں اُتر گیا ہے یا نہیں۔'

'اس کے بعد انڈین اور پاکستانی حکام تبادلہ خیال کرنے لگے کہ انھیں آگے کیا کرنا ہے۔'

وہ لکھتی ہیں کہ 'ایک موقع پر انڈیا کے ڈپٹی ہائی کمشنر ستیندر کمار لامبا نے خود بھی طیارے میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن انھیں سکیورٹی فورسز نے واپس کھینچ لیا۔ اگر ہائی جیکرز سینیئر سفارتکار کو بھی یرغمال بنانے کا فیصلہ کر لیتے تو یہ بہت غلط ہو سکتا تھا۔'

لامبا بعد میں انڈیا کے وزیر اعظم من موہن سنگھ کے دور حکومت میں پاکستان کے ساتھ مذاکرات کے لیے خصوصی نمائندے بنے۔

لامبا اپنی کتاب 'ان پرسُوٹ آف پیس' میں لکھتے ہیں کہ 'نٹور سنگھ اور میں فوراً خارجہ سیکریٹری ریاض پیرزادہ سے ملے اور اگلی فلائٹ سے ساڑھے چار بجے لاہور پہنچ گئے۔ فرسٹ سیکریٹری اجیت ڈوول (جو بعد میں انڈیا کے نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر بنے) اور وجے کمار کار سے پہنچے۔'

'میں پہنچتے ہی انڈین ایئر لائنز کے لاہور میں مینجر ایس آر دَتا (جنھوں نے لامبا کے بقول لنچ کے وقت انڈین ایمبیسی کو طیارے کے اغوا اور لاہور لائے جانے کی خبر دی تھی) کے ہمراہ سیدھا اغوا شدہ طیارے کی جانب چلا گیا۔'

لامبا لکھتے ہیں کہ 'میں نے دیکھا مسافر آرام سے آ جا رہے تھے۔ ایک سینیئر پاکستانی اہلکار نے مجھے روکا کہ طیارے میں جانا محفوظ نہیں اور واپس جانے کو کہا۔ لیکن اس دوران ہمیں یہ علم ہو گیا کہ ماحول میں تناؤ نہیں ہے اور ہائی جیکرز مسلح بھی نہیں ہیں۔'

'یرغمالیوں نے بعد میں تصدیق کی کہ اُن کے پاس صرف کرپانیں تھیں لیکن وہ ایسا ظاہر کر رہے تھے کہ اُن کے پاس دستی بم ہیں۔'

'نتھو سنگھ اور میں لاہور کے کور کمانڈر سے ملے۔ انھیں پاکستانی حکومت نے ہائی جیکنگ سے نمٹنے کا کام سونپا تھا۔ بعد میں پتا چلا کہ ہائی جیکر پانچ ہیں اور اُن کی قیادت گجندر سنگھ کر رہے ہیں۔'

'اُس شام ساڑھے آٹھ بجے، ہائی جیکرز کے رہنما کو وی آئی پی روم میں لایا گیا۔ نتھو سنگھ نے مجھے اُن سے بات کرنے کو کہا۔ گجندر سنگھ نے پنجابی میں کہا: ہم نے طیارہ اپنے لیڈر، سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالا کی گرفتاری اور اپنی تنظیم کے بہت سے ارکان کی خالصتان تحریک کو کچلنے کے لیے کی گئی حراستوں پر احتجاج کے لیے اغوا کیا ہے۔'

گجندر سنگھ نے لامبا سے کہا کہ 'پہلے ہم نے عورتوں اور بچوں کو چھوڑ دیا تھا۔ اب ہم نے تمام غیر ملکیوں اور کچھ سکھوں کو چھوڑ دیا ہے۔ ہمارے انڈین حکومت سے مطالبات ہیں کہ سنت جرنیل سنگھ بھنڈراں والا کو غیر مشروط رہا کیا جائے، ہماری تنظیم دَل خالصہ کے بغاوت کے الزام میں قید ارکان کو رہا کیا جائے اور ہمیں پانچ لاکھ امریکی ڈالر دیے جائیں۔'

پاکستانی کمانڈوز نے ۴۵ سیکنڈ میں تمام ہائی جیکر گرفتار کرلئے

امرتسر میں عجلت میں بلائی گئی پریس کانفرنس میں انتہا پسند سکھ گروپ دَل خالصہ نے ہائی جیکنگ کی ذمہ داری قبول کی اور ان پانچ افراد کا نام لیا جنھوں نے یہ کارروائی کی تھی۔

اس پریس کانفرنس میں کیے گئے تین بڑے مطالبات یہ تھے:

'بھنڈراں والا اور سکھ عسکریت پسندوں کی رہائی اور بیرون ملک سیاسی پناہ حاصل کرنے کی اجازت اور بدھ کی صبح تک 15 لاکھ ڈالرز تاوان کی ادائیگی'۔

دَل خالصہ کی گورننگ کونسل کے رکن ہرسمرن سنگھ نے کہا کہ 'ہائی جیکنگ کا مقصد دنیا کی توجہ سکھوں کے مطالبات پر مرکوز کرنا تھا'۔

'پاکستانی کمانڈوز نے پانچ ہائی جیکروں پر قابو پالیا'

یہ واقعہ پیش آنے سے قبل انڈیا میں کم از کم تین وارداتیں ہو چکی تھیں جن میں مسافر ٹرینوں کو پٹڑی سے اتارنے کی دو کوششیں بھی شامل ہیں۔

لامبا لکھتے ہیں کہ 'دلی میں اعلیٰ سطحی بحث و تمحیص چل رہی تھی۔ خارجہ سیکریٹری نے نتھو سنگھ سے کہا کہ پاکستان کو طاقت کا استعمال کرتے ہوئے اغوا کو ختم کروانا چاہیے'۔

'آدھی رات کو نتھو سنگھ کی لیفٹیننٹ جنرل لودھی سے بات ہوئی تو جنرل لودھی نے انھیں بتایا کہ کمانڈوز پہلے ہی طیارے کے ذریعے ایئرپورٹ پر لائے جا چکے ہیں'۔

سہاسنی حیدر کے مطابق اگلی صبح جہاز پر سوار مسافروں کو ناشتہ دیا جا رہا تھا جب پاکستانی کمانڈوز حرکت میں آئے۔

'ایلیٹ سپیشل سروسز گروپ (ایس ایس جی) سے تعلق رکھنے والے کمانڈوز نے اس قسم کے آپریشن کے لیے چند ماہ قبل اُس وقت کے مغربی جرمنی میں تربیت حاصل کی تھی'۔

'انھوں نے جہاز کی ریکی مکمل کر رکھی تھی، جس میں پانچوں ہائی جیکروں کی نقل و حرکت کی تفصیل بھی تھی۔ پچھلی رات کھانا دیتے ہوئے ایک کمانڈو کو سرور کے طور طیارے میں بھیجا گیا تھا۔

وہ کمانڈو ہتھیاروں کی جانچ کرنے کے لیے ہر ہائی جیکر کے پاس سے گزر رہے تھے'۔

ستنام سنگھ نے 'ہفنگٹن پوسٹ' کی نمائندہ رچنا کھیرا کو انٹرویو میں بتایا کہ پاکستانی کمانڈوز صفائی کے عملے کے بھیس میں جہاز میں داخل ہوئے اور ہم پر قابو پالیا۔

INDIAN EXPRESS

INDIAN EXPRESS

INDIAN EXPRESS

Khalistan men hijack IA plane to

66 of 117 aboard released

Deadline for demands 10 a.m. today

Reagan pledges supp

ستنام سنگھ کو پیچھے سے ایک کمانڈو نے ٹکر ماری اور وہ طیارے کے دروازے سے نیچے گر گئے۔ ان کا کہنا تھا کہ 'چونکہ ہم میں سے کسی کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا، اس لیے ہم زیادہ دیر تک لڑ نہیں سکے اور جلد ہی حراست میں لے لیے گئے'۔

ہائی جیکرز کی مطالبات پورا کرنے کی دس بجے کی ڈیڈ لائن ختم ہونے سے بہت پہلے ہی جہاز میں سوار 45 یرغمالیوں کو بغیر کسی نقصان کے رہا کروا لیا گیا۔

اس کامیاب کارروائی کے بعد پاکستان کے ایک سرکاری اعلامیے میں کہا گیا کہ 'پاکستانی کمانڈوز نے آج صبح 7:45 پر ایک جرأت مندانہ کوشش میں انڈین ایئرلائنز کے بوئنگ 737 میں موجود پانچ ہائی جیکروں پر قابو پا لیا اور تمام مسافروں اور عملے کو رہا کروا لیا۔ کوئی جانی نقصان نہیں ہوا'۔

نیو یارک ٹائمز کے خصوصی نمائندے مائیکل ٹی کافمین نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ 'طیارے کی بازیابی کے بعد صدر ضیا نے حکم دیا کہ رہا ہونے والے مسافروں کو لاہور کا دورہ کروایا جائے اور ہلٹن ہوٹل میں ان کے لنچ کا بندوبست کروایا جائے'۔ ظہرانے کے بعد یرغمالیوں کو ہائی جیک کیے گئے طیارے میں سوار کر کے واپس دلی روانہ کر دیا گیا، جہاں وہ اپنے 32 گھنٹے کے چکر کے بعد پُرسکون نظر آئے۔

پاکستان کے صدر ضیا الحق نے اپنے انڈین ہم منصب سنجیوا ریڈی سے اس تمام واقعے کے دوران دو بار بات کی تھی اور انھیں پاکستان کے 'مکمل تعاون' کی یقین دہانی کرائی تھی۔

انڈین حکام نے حکومت پاکستان کا شکریہ ادا کیا

ریڈی نے ضیا سے ٹیلی فون پر بات کرتے ہوئے 'مضبوط اور مؤثر طریقے سے' صورتحال سے نمٹنے کے لیے پاکستان کی تعریف کی۔

انڈین وزارت خارجہ کے ایک ترجمان نے اپنے بیان میں کہا کہ 'حکومت پاکستان کا تعاون مثبت اور موثر ہے'۔ نتھو سنگھ نے لیفٹیننٹ جنرل ایس کے لودھی کو مبارکباد دی جنھوں نے کمانڈو آپریشن کی ہدایات دی تھیں۔

اگلی صبح دلی میں، کابینہ نے ایک قرارداد میں پاکستان اور اس کے صدر کی مدد پر شکریہ ادا کیا گیا، اور پانچ ہائی جیکروں کی حوالگی کی باضابطہ درخواست کی۔

ٹی سی اے راگھون اپنی کتاب 'دی پیپل نیکسٹ ڈور' میں لکھا کہ 'ہائی جیکرز کو انڈیا کے حوالے نہیں کیا گیا بلکہ اُن پر پاکستان ہی میں مقدمہ چلایا گیا'۔

پاکستان کے سابق معروف وکیل ایس ایم ظفر ہائی جیکرز کے وکیل صفائی تھے۔ اپنی کتاب 'میرے مشہور مقدمے' میں لکھتے ہیں کہ 'ایف آئی آر کے مطابق طیارے نے پالم ایئرپورٹ سے انڈیا کے معیاری وقت کے مطابق 12 بج کر 45 منٹ پر پرواز کی، اس جہاز کو نئی دلی سے براستہ امرتسر اپنی منزل سری نگر پہنچنا تھا'۔

'ابھی اس طیارے کو پرواز کیے بمشکل تمام بیس لمحے (منٹ) گزرے ہوں گے کہ جہاز کے کپتان ٹی پی سنگھ نے ایک خاتون (ایئر ہوسٹس) کی چیخ و پکار سنی۔ اس کے ساتھ ہی گجندر سنگھ اور جسبیر سنگھ کرپانیں لیے کاک پٹ میں داخل ہو گئے اور انھوں نے جہاز کے کپتان اور پائلٹ کی گردنوں پر کرپانیں رکھ کر انھیں حکم دیا کہ وہ جہاز کو امرتسر کی بجائے لاہور لے چلیں'۔

'جہاز کے کپتان نے ملزموں کے کہنے کے مطابق لاہور کے کنٹرول ٹاور سے کہا کہ جہاز لاہور صرف اس لیے اُتار رہا ہے کہ امرتسر کا ہوائی اڈہ بند ہے اور لاہور کنٹرول اتھارٹی کی اجازت کا انتظار کیے بغیر جہاز لاہور ایئرپورٹ پر اُتار دیا'۔

بگرام آج پھر طاقت کے بیانیوں کا مرکز ہے۔ 1950 کی دہائی میں افغانستان کے برف پوش پہاڑوں کے دامن میں سوویت یونین کے ہاتھوں تعمیر ہونے والا فضائی اڈہ دو عالمی طاقتوں، یعنی سوویت یونین اور امریکہ کا فوجی مرکز بنا اور اب افغان وزارتِ دفاع کے زیرِ انتظام ہے، مگر شمالی صوبے پروان کے اس مقام کی تاریخ صدیوں پرانی ہے۔

برٹینیکا میں لکھا ہے کہ شہر سکندریہ-کاپیسو بگرام، جو سکندر یونانی نے قائم کیا، رفتہ رفتہ ہندوستان کی مغربی تجارت کا سب سے اہم مرکز بن گیا۔

انسائکلو پیڈیا برٹینیکا کے مطابق 'یہاں سے نہ صرف سامانِ تجارت گزرتا تھا بلکہ افکار اور عقائد بھی۔ ہندوستان کے مذہبی تصورات، خصوصاً بدھ مت، اور وہ ادبی و فنکارانہ اسلوب جو گندھارا (موجودہ شمال مغربی

ساتھ گھل مل گئے تھے جو اس خطے میں داخل ہوئیں، جیسے باختر سے آنے والے کمبوجا۔'

'جب سکندر کے جانشین آپس میں برسرِ پیکار تھے، اُس وقت برصغیر کے شمالی حصے میں مَوریا سلطنت ابھر رہی تھی۔ اس سلطنت کے بانی چندر گپت موریا نے 305 قبل مسیح میں مقدونیہ کے سپہ سالار سیلیوکس اول

بگرام: سکندر اعظم، چنگیز خان اور بابر کی توجہ کا مرکز

جہاں کبھی ہندوستانی نسل کی حکمرانی تھی

یاد رہے کہ افغانستان میں طالبان کی حکومت نے امریکہ کی جانب سے بگرام ایئر بیس کو دوبارہ اپنے کنٹرول میں لینے کے اعلان کو مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایسے عزائم رکھنے والوں کو 'افغانستان کی تاریخ دیکھنی چاہیے۔'

امریکہ کے اعلان کے بعد نہ صرف طالبان حکومت کی جانب سے جواب آیا ہے بلکہ چین کی جانب سے بھی سخت ردِعمل سامنے آیا۔

لیکن بگرام کی اپنی تاریخ کیا ہے اور یہ علاقہ سکندرِ اعظم سے لے کر بابر تک حکمرانوں کی توجہ کا مرکز کیوں رہا؟

وسطی ایشیا، جنوبی ایشیا اور مشرقِ وسطیٰ کے سنگم پر، افغانستان کے دارالحکومت کابل سے تقریباً 60 کلومیٹر شمال میں ایک بلند سطح مرتفع پر پُرہیبت ہندوکش پہاڑوں کے دامن میں گھرا بگرام کبھی سکندر یونانی کی فوجوں کا مرکز بنا اور کبھی کُشان بادشاہوں نے یہاں اپنا گرمائی دارالحکومت بسایا۔

بدھ خانقاہوں کی گھنٹیاں بھی یہاں بجتی رہیں اور پھر ساتویں صدی میں عربوں نے اس خطے کی روح بھی بدلی۔ قدیم شاہراہِ ریشم پر اس مرکزی تجارتی سنگم سے روم، ایران، ہند اور چین کے قافلے بھی گزرتے رہے۔

انسائکلو پیڈیا

پاکستان کی وادیِ کابل کے زیریں حصے میں، دریائے قندوز اور دریائے سندھ کے درمیان) اور متھرا (پنجاب، شمال مغربی ہندوستان) میں نشوونما پاتے تھے، انھی راستوں سے باختر پہنچے اور وہاں سے کبھی کشمیر، تبت اور چین تک اور کبھی سنکیانگ کے دور افتادہ صحرائی نخلستانی قصبوں تک جا پہنچے۔'

وارک بال اور یاں گلاڈ گارڈین نے 'آرکیالوجیکل گیزیٹیئر آف افغانستان' میں لکھا ہے کہ 'قدیم بدھ مت اور ہندو مجسموں کی صورت گری سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہر ابتدائی طور پر ہندوستانی نسل کے لوگوں کے زیرِ حکمرانی تھا، جو یا تو یہاں ہجرت کر کے آئے تھے یا پھر اُن ایرانی اقوام کے

کی قیادت میں آنے والے حملہ آور لشکر کا مقابلہ کیا۔ مختصر جنگ کے بعد ایک معاہدہ طے پایا جس کے تحت سیلیوکس نے گندھارا، اراخوسیہ (جس کا مرکز قدیم قندھار تھا) اور بگرام کے جنوب میں واقع علاقے (جو آج کے افغانستان کے انتہائی جنوب مشرقی حصے کے مساوی ہیں) مَوریا سلطنت کے حوالے کر دیے۔'

'تقریباً 120 سالہ مَوریا دور میں جنوبی افغانستان میں بدھ مت کا تعارف ہوا، جو رفتہ رفتہ زرتشتیت اور مقامی قدیم مذاہب کے ساتھ ایک بڑا مذہب بن گیا۔ بگرام اور میر زکہ سے موریا دور کے سکّے بھی دریافت ہوئے ہیں، جو اس خطے میں اُس زمانے کی تجارت یا انتظامی موجودگی کی نشاندہی کرتے ہیں۔'

بعد میں اسے 'کاپیسا' کہا جانے لگا۔

گو کہ آج کے افغانستان کے ایک صوبے کا نام بھی اب کاپیسا ہے، کاپیسا شہر کا اوّلین حوالہ پانچویں صدی قبل مسیح کے ہندوستانی عالم پانِنی کی تحریروں میں ملتا ہے۔ وہ کاپیسا نامی شراب کا بھی ذکر کرتے ہیں جو اسی علاقے کی پیداوار تھی۔ کاپیسا کا نام انڈو-یونانی حکمران اپالودوٹس/یوکراتائیڈز اور نیزک ہن کے سکّوں پر بھی ملتا ہے۔

بگرام کے گردونواح میں کاپیسا (آج کا بگرام) کے آثار پائے جاتے ہیں۔

تاریخ دان ٹرسٹن ہیوز لکھتے ہیں کہ 'یہ شہر قدیم سپرپاورز کی کئی یلغاروں کا گواہ رہا۔ یہاں فارسی آئے، پھر سکندر یونانی اور ان کے جانشین۔ لیکن کشانی سلطنت کے دور میں خوشحال اور قدیم بیگرام نے اپنا سنہری عہد دیکھا۔'

عبدالواحد علیکوزئی نے 'اے کنسائز ہسٹری آف افغانستان' میں لکھا ہے کہ یہاں پہلی سے چوتھی صدی عیسوی کے درمیان شمالی افغانستان سے لے کر شمال مغربی ہندوستان تک پھیلی کُشان سلطنت کا گرمیوں کا دارالحکومت تعمیر کیا گیا۔ اسے گریکو- باختر سلطنت کے دفاع میں کلیدی حیثیت حاصل تھی۔

'یہ شہر بلند فصیل اور برجوں سے مزیّن تھا، جبکہ اس کی مرکزی شاہراہ پر کُشان حکمرانوں کا شان دار محل قائم تھا جس میں کارخانے اور دکانیں تھیں۔ اس میں ہندوستان کے تراشیدہ ہاتھی دانت، ہندوستانی لاکھ کے صندوق، مصر اور روم کے شیشے، پلاسٹر کے نقش و نگار والے تختے اور شاہ راہِ ریشم کے راستے لائی گئی اشیا رکھی جاتی تھیں۔'

'دنیا بھر میں مشہور یہ بیگرام کا خزانہ' اُس عظیم تجارتی سرگرمی کی گواہی دیتا ہے جو کُشان سلطنت کے دور میں ہوتی تھی۔ کاپیسا کے زوال کے باوجود، ساسانی دور (تقریباً 241ء) میں شاہراہِ ریشم کے راستے لائے گئے سامان کو وہاں محفوظ پایا گیا۔'

کُشان سلطنت کے بعد کے زمانوں میں، کاپیسا ایک ایسی سلطنت کا حصہ رہا جس پر ایک بدھ مت کشاتریہ بادشاہ حکمرانی کرتا تھا۔

میں صوبہ پروان، جس کا بگرام ایک حصہ ہے، اُس تاریخی معرکے کا میدان بنا جہاں حملہ آور منگول فوجیں، چنگیز خان کی قیادت میں، خوارزم شاہی سلطنت کے حکمران جلال الدین منگبرنی سے ٹکرائیں اور شکست سے دوچار ہوئیں۔

مغل انڈیا میں لکھا ہے کہ 'افغانستان کی مکمل اسلامی حیثیت غزنوی دور میں قائم ہوئی۔' اس کے بعد یہ خطہ تیموریوں اور مغلوں کے زیرِ نگیں رہا۔

کتاب 'مغل انڈیا' کے مطابق مانا جاتا ہے کہ موجودہ قصبے کو قدیم شہر کی جگہ پر ظہیر الدین بابر نے بسایا۔ بابر کے سوانح عمری 'بابر نامہ' میں اُن کے 1519ء کے سفر کا ذکر ہے جس میں انھوں نے ہندو جوگیوں کی بستی کا تذکرہ کیا ہے، جو اُن کے لیے باعثِ کشش تھی۔

پینے کے برتن دریافت ہوئے جو اس زمانے کی شراب کی تجارت کے عام لوازمات تھے۔ علاقے کے انگور اور شراب کا ذکر قدیم ہندوستانی ادب کی متعدد کتابوں میں بھی آتا ہے۔

قدیم دریافتوں کو اُس وقت کے نظامِ تقسیم کے تحت میوزے گیمیٹ (پیرس) اور قومی عجائب گھر کابل کے درمیان تقسیم کیا گیا۔ 1978 میں کابل میوزیم کے بند ہونے کے بعد ہاتھی دانت کی یہ اشیاء کہاں گئیں، اس بارے میں یقین نہ رہا اور 1990 کی دہائی میں ان میں سے کئی نوادرات لوٹ لیے گئے۔

رابرٹ جے مورگن نے اپنی کتاب 'آن دِس ڈے' میں لکھا ہے کہ 22 اکتوبر 1996 کے ٹائمز آف لندن کی سرخی یوں چیخی: 'ہمیشہ کے لیے کھو گیا: ایک قوم کا ورثہ جو اس کے اپنے لوگوں نے لوٹ لیا۔'

اخبار نے لکھا: 'افغانستان کا قومی میوزیم کابل میں ملبے کا ڈھیر ہے۔ کبھی یہاں دنیا کے سب سے عظیم کثیر الثقافتی قدیم نوادرات کا ذخیرہ تھا: فارسی، ہندوستانی، چینی، وسطی ایشیائی اور اس سے بھی آگے۔'

'لیکن تہہ خانوں کو دھماکوں سے اڑا دیا گیا، شوکیس توڑ ڈالے گئے، نوادرات لوٹے گئے اور فوری نقدی کے لیے انھیں دنیا بھر میں یہاں وہاں بیچ ڈالا گیا۔ راکٹوں نے میوزیم کی چھت کو چیر ڈالا، قدیم کانسی کے نوادرات کوٹنوں ملبے تلے دفن کر دیا۔'

'ماقبل تاریخ کے برتن یوں تھیلوں میں بھر دیے گئے جیسے کوئی سستی چینی مٹی کے برتن ہوں۔'

چینی زائر ہیون سانگ نے 644ء میں یہاں کا سفر کیا اور لکھا کہ یہ بادشاہ دس قریبی ریاستوں پر بھی اقتدار رکھتا تھا۔ ہیون سانگ نے اس علاقے کے مشہور گھوڑوں کا بھی ذکر کیا، اور ساتھ ہی مختلف اناج، پھل اور ایک خوشبودار جڑ کی پیداوار کا حوالہ بھی دیا۔

جے۔ پی۔ رائے لاسٹی اور مالنی کی ادارت میں چھپی کتاب 'مغل انڈیا: آرٹ، کلچر اینڈ ایمپائر' میں لکھا ہے کہ افغانستان اور ملحقہ پشتون خطے پر اسلامی فتوحات ساتویں صدی میں، ایران کی فتح کے فوراً بعد، شروع ہوئیں۔

رچرڈ نیلسن فرائے 'انسائیکلوپیڈیا آف اسلام' میں لکھتے ہیں کہ 1221ء

فرائے لکھتے ہیں کہ 1747ء میں احمد شاہ درانی نے پروان کو اپنی درانی سلطنت میں شامل کر لیا۔ بعدازاں 1840ء میں پہلی اینگلو-افغان جنگ کے دوران میں پروان ایک اور بڑی لڑائی کا مرکز بنا، جہاں برطانوی افواج کو بھی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

ہیوز کے مطابق چین، ہندوستان اور بحیرۂ روم کو ملانے والا یہ شہر قدیم زمانے کا ایک عظیم سنگم تھا۔ یوریشیا کے طول و عرض میں بنا ہوا سامان تجارت اور سفارت کے ذریعے اس قدیم شہر تک پہنچتا تھا۔ ایک خاص ذخیرہ اس ربط کی سب سے بہترین علامت ہے: بیگرام ہورڈ۔

'فرانسیسی ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے یہ خزانہ دریافت کیا۔ ایک حیرت انگیز مجموعہ، جس میں مشرقی چین، برصغیر اور رومی بحیرۂ روم کی قدیم اشیا ایک ہی جگہ پر موجود تھیں۔'

سنہ 1939 میں آثارِ قدیمہ کی کھدائی میں یہ ثابت ہوا کہ کاپیسا اس دور میں کاپیسانا شراب کی تجارت کا مرکز تھا۔ یہاں بوتلیں، مچھلی کی شکل کے مٹکے اور

'بیگرام کا ذخیرہ، جو بیسویں صدی کی سب سے بڑی آثارِ قدیمہ کی دریافتوں میں سے ایک تھا، غائب ہو گیا۔ قریباً 40,000 سکے، جو دنیا کے سب سے قدیم سکوں میں شمار ہوتے ہیں، غائب ہو گئے۔ تابناک ماضی کو آج کے بے لگام حال نے برباد کر ڈالا۔ ایک قوم اپنی تاریخ سے محروم ہو گئی۔'

پیٹر بیومونٹ نے اخبار دی گارڈین میں لکھا کہ سنہ 2004 میں ان میں سے کچھ گمشدہ اشیا دوبارہ برآمد ہوئیں، جبکہ 20 مزید نوادرات جو غیر قانونی طور پر قدیم نوادرات کے سوداگروں کے ذریعے فروخت کیے جا رہے تھے، بازیاب کر لیے گئے۔ برٹش میوزیم میں ان کی بحالی کے بعد انھیں 2011 میں نمائش کے لیے پیش کیا گیا۔

اے ایس پی ماجدہ ہالیپوٹہ

نازیبا حرکت مہنگی پڑ گئی۔۔!!

موبائل کیمرہ اور ایک "وائرل ویڈیو" پورے نظام کو حرکت میں لے آئی

دو علاقے سب سے زیادہ خطرناک ہیں، ایس ایس پی ایسٹ زون ماجدہ ہالیپوٹہ

ڈیجیٹل احتساب معاشرتی رویوں کی اصلاح میں نیا کردار ادا کر رہا ہے، ماہرین

رپورٹ: سید زاہد علی شاہ

شہر قائد میں بارش کے دوران ایک خاتون سے نازیبا حرکت کرنے والے شخص کی ویڈیو وائرل ہونے کے بعد پولیس نے تیزی سے کارروائی کرتے ہوئے ملزم کو گرفتار کرلیا۔ جمشید کوارٹرز پولیس کے مطابق ویڈیو جمشید ٹاؤن کے علاقے میں بنائی گئی تھی، جس میں ایک شخص خاتون کے قریب

ایس آئی اورفعت (جمشید کوارٹر)

ایس ایچ او انصر

آ کر نازیبا حرکت کرتا دیکھا گیا۔ وڈیو کے وائرل ہوتے ہی پولیس نے تکنیکی بنیادوں پر ملزم محبّ اللہ کی شناخت کی، اور سرکار کی مدعیت میں مقدمہ درج کرتے ہوئے اسے حراست میں لے لیا۔

اے ایس پی ایسٹ زون ماجدہ ہالیپوٹہ کا موقف

اے ایس پی ایسٹ زون انویسٹی گیشن ماجدہ ہالیپوٹہ نے کہا کہ میں ایس ایس ایسٹ زون انویسٹی گیشن ٹو سے تعلق رکھتی ہوں۔ میرے پاس سولہ تھانے اور تین ڈویژنز ہیں—— سہراب گوٹھ، گلشن اقبال اور جمشید ٹاؤن۔ کرائم کے حوالے سے دو علاقے سب سے زیادہ خطرناک ہیں: بلوچ کالونی اور سہراب گوٹھ۔" انہوں نے مزید کہا کہ "مولانا کی نازیبا ویڈیو وائرل ہوتے ہی چوبیس گھنٹے کے اندر کارروائی کر کے ملزم محبّ اللہ کو گرفتار کرلیا گیا۔ ہالیپوٹہ کا کہنا تھا کہ پولیس نے واقعے کو سنجیدگی سے لیتے ہوئے فوری ایکشن لیا تا کہ ایسے واقعات کا اعادہ نہ ہو۔

سوشل میڈیا اور فوری احتساب

یہ پہلا موقع نہیں کہ سوشل میڈیا نے کسی جرم کو بے نقاب کیا ہو۔ گزشتہ ماہ ملتان کے علاقے المصطفیٰ کالونی میں بھی ایک بچی کے ساتھ نازیبا حرکت کی ویڈیو سامنے آئی تھی، جس کے وائرل ہوتے ہی پولیس حرکت میں آئی اور ملزم عادل ولد غفور کو گرفتار کرلیا۔ پولیس کے مطابق، چھاپے کے دوران ملزم نے مزاحمت کی اور فائرنگ کی جس کے جواب میں وہ زخمی ہوگیا۔ اس واقعے نے بھی یہی ثابت کیا کہ ڈیجیٹل میڈیا اب جرائم کے خلاف مؤثر ہتھیار بنتا جا رہا ہے۔

ماہرین کی رائے

جامعہ کراچی کے سماجیات کے ماہر ڈاکٹر عارف اقبال کے مطابق: "ڈیجیٹل شرمندگی اب سماجی احتساب کی ایک نئی صورت اختیار کر چکی ہے۔ جو جرم کبھی بند کمروں میں دب جاتا تھا، وہ اب سب کے سامنے آ جاتا ہے۔

خواتین کی سلامتی——ایک مسلسل سوال

اگرچہ پولیس کی برق رفتاری قابلِ تعریف ہے، مگر یہ واقعہ اس سوال کو مزید گہرا کر دیتا ہے کہ کیا خواتین کراچی کی سڑکوں پر محفوظ ہیں؟ سیکیورٹی کیمرے، قوانین اور عوامی شعور کے باوجود ایسے واقعات کا تسلسل اس امر کا مظہر ہے کہ اخلاقی تربیت اور سماجی احتساب دونوں پر مزید توجہ درکار ہے۔ جمشید ٹاؤن کا یہ واقعہ محض ایک گرفتاری نہیں بلکہ ایک پیغام ہے کہ اگر ریاست اور عوام مل کر ردِعمل دیں، تو انصاف تاخیر کا شکار نہیں ہوتا۔

ملزم

ایف آئی آر

کمپیوٹرائز

پولیس فارم نمبر 24-5(1)

ابتدائی اطلاعی رپورٹ نسبت جرم قابل دست اندازی پولیس رپورٹ شدہ زیر دفعہ 154 مجموعہ ضابطہ فوجداری

سیریل نمبر: 5229 نمبر: 587/25 تھانہ: جمشید کوارٹر ضلع: ایسٹ

تاریخ و وقت وقوعہ: 2025-08-19 شام کے اوقات میں

1	تاریخ و وقت رپورٹ	بحوالہ رپٹ نمبر (43) 22-08-2025 10:00PM	6	تھانہ سے روانگی کی تاریخ و وقت	زریعہ ڈاک
2	نام و سکونت اطلاع دہندہ مستغیث	Muhammad Idrees ASI پتہ: تھانہ جمشید کوارٹر پیشہ: پولیس آفیسر فون نمبر: 03062835064			
3	مختصر کیفیت جرم (معہ دفعہ) و مال اگر کچھ کھو گیا ہے	بجرم: 354 ت پ			
4	جائے وقوعہ و فاصلہ تھانہ سے اور سمت	بمقام جہانگیر روڈ بالمقابل کنزالایمان مسجد کراچی جانب مغرب بفاصلہ تقریباً آدھا کلو میٹر از تھانہ			
5	کاروائی متعلقہ تفتیش اگر اطلاع درج کرنے میں کچھ توقف ہوا ہو تو اس کی وجہ بیان کی جاوے	تفتیش مقدمہ SIO صاحب تھانہ ہذا کریں گے۔			

دستخط: Muhammad Idrees بیلٹ نمبر: K-2952 عہدہ: ASI موبائل فون نمبر: 03062835064

(ابتدائی اطلاع نیچے درج کریں)

790456

امشب میں ASI ادریس حسین حمینہ تھانہ جمشید کوارٹر ایسٹ کراچی ہمراہ ملازمان PC انور عباس PC32808 عمر الطاف D/PC46826 مظہر حسین 16043 ذریعہ موبائل سرکاری SPE-656 II کے علاقہ گشت وانسداد جرائم میں مصروف تھا سوشل میڈیا واٹس ایپ گروپ میں موبائل فون پر ایک وڈیو وائرل ہوئی تھی جس میں پایا گیا کہ مورخہ 2024-08-19 کو شام کے اوقات میں بوجہ باران رحمت کراچی کے مختلف علاقہ جات میں سڑکوں پر پانی جمع ہوا جو کہ جہانگیر روڈ بالمقابل کنزالایمان مسجد کراچی پر بہت پانی جمع تھا لوگ موٹر سائیکلوں کو پیدل لے جا رہے تھے خواتین بھی پیدل جاری تھی کہ ایک شخص نے ایک راہگیر خاتون کی عفت میں خلل ڈالتے ہوئے خاتون کی کمر کے نیچے ہاتھ مارا جو کہ شرمناک وڈیو تھی نامعلوم شخص نے سوشل میڈیا پر اپلوڈ کی جو مجھ ASI نے دیکھی کو ذریعہ مخبر خاص اطلاع ملی کہ خاتون کے ساتھ شرمناک حرکت کرنے والا شخص بمقام جمشید روڈ نمبر 3 نزد دیاد گار فش کے پاس موجود ہے جس پر میں ASI معہ ملازمان و موبائل بوقت 2040 بجے بمقام بالا پہنچا ایک شخص کو حسب نشاندہی مخبر خاص پکڑا جس نے دریافت پر اپنا نام محب اللہ ولد شمس الحق بتایا پکڑے ہوئے شخص کا خاتون کی عقب میں خلل ڈالنے کا یہ فعل بجرم دفعہ 354 ت پ کی حد کو پہنچتا پاکر بعد آگاہی جرم حسب ضابطہ گرفتار کیا جامعہ تلاشی ملزم سے کوئی چیز قبضہ پولیس نہ لی گئی اب بوالپسی تھانہ مقدمہ ہذا بر خلاف گرفتار شدہ ملزم محب اللہ ولد شمس الحق درج رجسٹر کر کے تفتیش سپرد SIO صاحب تھانہ ہذا کی جاری ہے جبکہ نقول FIR حسب قاعدہ تقسیم ہو گی۔

ایک پلان کاغذ پر ترتیب پاتا ہے اور ایک کھیل کے اپنے اندر سے نمودار ہوتا ہے۔ یہ دونوں پلان اگر آپس میں ربط بنا جائیں تو راستے سہل ہونے لگتے ہیں۔ لیکن اگر کاغذ پر بنا پلان، کھیل کی چال سے اٹھتے پلان سے ہم آہنگ نہ ہو پائے تو فائنل میچ میں 33 رنز کے عوض نو وکٹیں مضحکہ خیزی سے گر جاتی ہیں۔

ٹورنامنٹ کے دوران پاکستانی بیٹنگ کی جو کمزوریاں اُبھر کر سامنے آ چکی تھیں، اُن کے پیشِ نظر پلان یہ تھا کہ دونوں اوپنرز پہلے دس اوورز کھیلیں گے اور آخری دس اوورز کے لیے پوری ہی وکٹیں بچا کر رکھی جائیں گی۔

اور یہ پلان کامیاب بھی رہا۔ صاحبزادہ فرحان نے جارح کا کردار نبھایا، فخر زمان نے ایک کنارہ سنبھالا اور یوں اننگز کے نصف تک پاکستان نو وکٹیں بچا کر رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن اپنے پلان کی کامیابی سے حوصلہ پاتے ہوئے یہاں پاکستان کھیل سے اٹھتے پلان کو نظر انداز کر گیا۔

یہ دبئی کی ایک اور استعمال شدہ پچ تھی اور یہاں آخری دس اوورز کی بیٹنگ ہرگز ویسی سہل نہیں ہو سکتی تھی جس کا گمان پاکستان نے پہلے دس اوورز میں کمایا تھا۔ پرانی گیند پر انڈین سپنرز کے خلاف چھکوں کی جو مہم جوئی پاکستان کے پلان میں تھی، کھیل کا پلان اس سے رضامند نہ تھا۔

گیند پرانی ہو چکی تھی، اسے باؤنڈری پار پھینکنے کے لیے صرف ولولہ اور زورِ بازو کافی نہیں تھا، درستی پہلی شرط تھی۔ پہلے دس اوورز تک ڈریسنگ روم میں صاحبزادہ فرحان کی بیٹنگ سے محظوظ ہوتے پاکستانی بلے بازوں کو سمجھ ہی نہ آ پائی کہ گیند اچانک سے بلے پر کیوں نہیں آ رہی۔

وہاں کاغذ پر لکھے پلان کو فوری بدلنے کی ضرورت تھی اور خیالی پلاؤ پکانے کی بجائے پارٹنرشپ جمانے کو وکٹوں کے بیچ دوڑ بڑھانا تھی۔ مگر پاکستانی بیٹنگ کے پاؤں جو کچھ ہی دیر پہلے گویا بادلوں پر تھے، اب کریز میں ہی مقید ہونے لگے۔

کسی بلے باز نے کوشش نہیں کی کہ وکٹ پر کچھ دیر رُکا جائے اور سٹرائیک روٹیشن سے اننگز بڑھائی جائے۔ سبھی باؤنڈری کے پرے اپنی تاریخ رقم کرنے کا سوچنے لگے، سبھی ناکام ہوئے۔

پہلے دس اوورز نے انڈین ٹیم پر اضطراب ڈال رکھا تھا۔ پانی کے وقفے میں سوریا کمار یادیو بوکھلائے ہوئے دکھائی دیے۔ انڈین بولنگ کا مورال پست تھا اور پاکستان میچ پر اپنے پنجے گاڑتا دکھائی دے رہا تھا۔

اگلے دس اوورز کی ستم ظریفی دیکھیے کہ انڈین کیمپ کی پریشانی انڈین بولنگ کیا مٹاتی، خود پاکستان نے ہی پاکستان کو روک دیا۔ یہاں اگر پاکستان 160 رنز پر قناعت کا سوچتا تو وہ انڈین بیٹنگ کی نیندیں اُڑا سکتا تھا۔

لیکن اننگز کی چال اور پاکستان کی تال مل نہ پائے۔ بھاری مجموعے کی بھوک میں پاکستان اوسط مجموعے کی حقیقت

'پاکستان نے ہی پاکستان کو روک دیا'

پسندی سے بھی جاتا رہا۔ نتیجے میں جو مجموعہ پاکستان جما پایا، وہ بنگلہ دیش کے خلاف تو کافی ہو سکتا تھا لیکن انڈین بیٹنگ کے لیے بہرحال ایک تر نوالہ تھا۔

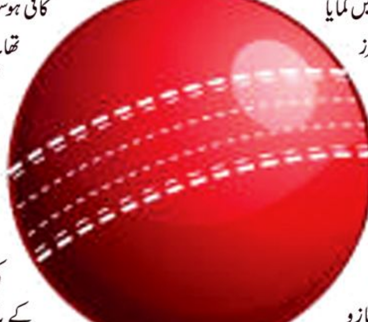

گو شارٹ ٹرم میموری کے مجموعی قومی المیے سے دوچار مبصرین اس شکست کے لیے بولنگ بالخصوص حارث رؤف کو ذمہ دار ٹھہرا چکے ہیں مگر درحقیقت یہ پاکستانی بولنگ ہی تھی جس نے میچ کو آخری اوور تک زندہ رکھا۔

ابھیشک شرما، شبھمن گل اور سوریا کمار یادیو کی وکٹیں پاور پلے میں ہی حاصل کر کے پاکستان کو میچ میں واپس لانے والی پاکستانی بولنگ ہی تھی۔ بھلا جو کم مائیگی بلے بازوں نے ٹیم کے پلے باندھ دی ہو، اس کے مداوے کی ساری ذمہ داری بولنگ ہی کیوں چُکائے؟

حارث رؤف ڈیتھ اوورز کے مؤثر ترین بولرز میں سے ہیں۔ پاکستان نے انھیں آخری اوورز کے لیے بچا کر بھی رکھا۔ مگر حارث کی تاثیر نمایاں تب ہوتی ہے جب گیند کو ہلکی سی ریورس سوئنگ مل رہی ہو۔

یہاں مگر دبئی کا موسم بدل چکا ہے اور ابتدائی اوس کے سبب گیند ریورس کے قابل نہیں ہو پاتی۔

تلک ورما یا شیوم دوبے بھلے پاکستانی شائقین کے لیے نامانوس سے نام ہوں مگر اس میچ تک پہنچنے سے پہلے وہ برس ہا برس آئی پی ایل میں مچل سٹارک، ٹرینٹ بولٹ اور ربادا کی کلاس کا تجربہ حاصل کر چکے ہیں۔

جو بولنگ حارث رؤف نے کی، اس کے اعداد ہرگز قابلِ توجیہہ نہیں۔ لیکن مسئلہ یہاں حارث کے بولنگ اہداف کا نہیں، تلک ورما کی مہارت اور آہنی اعصاب کا تھا جو پریشر کی حدت سے ماند نہیں پڑے اور ایک لمبی اننگز کا بوجھ جھیلنے کو تیار تھے۔

پاکستانی شائقین و مبصرین حسبِ روایت یہاں گردنوں کے پیاسے ہوں گے اور کپتان، کوچ، کھلاڑی سبھی تیروں کے نشانے پر ہوں گے مگر اس ہنگام یہ مت بھولیے گا کہ یہ وہی ٹیم ہے جسے آپ ایشیا کی چوتھی بہترین ٹیم بھی ماننے کو تیار نہ تھے مگر اب وہ سرکاری طور پر ایشیا کی دوسری بہترین ٹیم قرار پا چکی ہے۔

گو اتوار کی شام یہ پہلی بہترین ایشیئن ٹیم بننے کے بھی عین قریب آ چکی تھی مگر پھر خود پاکستان نے ہی پاکستان کا رستہ روک دیا۔

کراچی ایئرپورٹ اور کالا چھپرا

ایئر شپ ہینگر (کالا چھپرا) کراچی ایئر پورٹ 1946ء

عبیداللہ کیہر

70 اور 80ء کی دہائی میں ڈرگ روڈ سے ملیر کی طرف جانے والی بسوں کے مسافر "کالا چھپرا" کے بس اسٹاپ سے اچھی طرح واقف ہوں گے۔ یہ اسٹاپ ناتھا خان گوٹھ اور ڈرگ کالونی کے درمیان آتا تھا۔ یہاں یا تو سول ایوی ایشن کالونی میں رہنے والے اترتے تھے یا شام کے وقت لگژری سینما میں فلم دیکھنے کے خواہشمند اترا کرتے تھے۔ اس اسٹاپ کے قریب کراچی ایئر پورٹ کی حدود میں 1930ء سے 1960ء تک ایک بلند و بالا آہنی تعمیر تھی کہ جو دور دور سے نظر آیا کرتی تھی۔ اس دیوقامت آہنی ڈھانچے کا نام اس کی سیاہی مائل رنگت کے باعث "کالا چھپرا" پڑ گیا تھا۔ 60ء کی دہائی میں یہ عمارت غائب ہوگئی، مگر یہ بس اسٹاپ اگلے کئی سال "کالا چھپرا" ہی کہلاتا رہا۔

یہ کالا چھپرا دراصل اس دور کی معروف ہوائی سواری "ایئر شپ" کے اڈے کے طور تعمیر کیا گیا تھا۔ ایئر شپ ایک خاص قسم کا ہوائی جہاز ہوتا تھا جو گیس کے غبارے کی مدد سے اڑتا تھا۔ یہ ایک ایسا اڑن کھٹولا تھا کہ جو انجنوں کے ذریعے چلنے والے تیز رفتار پنکھوں کی مدد سے اپنی منزل کی جانب پرواز کرتا تھا۔

سلطنت برطانیہ کی حدود جس دور میں انگلینڈ سے آسٹریلیا تک پھیلی ہوتی تھیں، ان دنوں ان ممالک کے درمیان جہاں بحری جہاز رواں دواں رہتے تھے، وہیں یہ ایئر شپ بھی مسافروں کو اپنے کھٹولے میں بٹھائے اڑے چلے جاتے تھے۔ 1930ء میں اسی طرح کے ایک ایئر شپ R-101 کو لنگر انداز کرنے کیلئے کراچی ایئر پورٹ کی حدود میں یہ بلند ہینگر بنایا گیا تھا۔ اس جہاز کو برطانیہ سے اڑ کر آسٹریلیا تک جانا تھا اور درمیان میں کراچی میں بھی قیام کرنا تھا۔

4 اکتوبر 1930ء کی شام 6 بجے ایئر شپ R-101 اپنے 54 مسافروں کو لے کر انگلینڈ کے شہر کارڈنگٹن Cardington سے کراچی جانے کیلئے بلند ہوا مگر بدقسمتی سے 8 ہی گھنٹے بعد فنی خرابی کے باعث فرانس کے شہر بووے Beauvais میں گر کر تباہ ہوگیا۔

جہاز پر سوار 54 مسافروں میں سے صرف 6 زندہ بچے۔

کراچی میں اس جہاز کا بڑے جوش و خروش سے انتظار کیا جا رہا تھا اور اس کے کالے چھپرے پر اترنے کا نظارہ دیکھنے کیلئے کراچی کے باسی بے چین تھے، لیکن اس کی تباہی کا سن کر ان میں بڑا دکھ اور اداسی پھیل گئی۔

اس دن کے بعد سے اگلے چار عشرے تک یہ ہینگر کسی اور جہاز کا انتظار کرتا رہا، لیکن نہ یہاں کسی جہاز کو آنا تھا، نہ آیا۔ ہینگر کھڑے کھڑے زنگ آلود اور کالا ہو گیا اور کراچی کے باسیوں نے اسے "کالا چھپرا" کا نام دے دیا۔

60ء کی دہائی میں ایوب دور حکومت میں اس دیوقامت آہنی ڈھانچے کا کراچی کے ایک بڑے کباڑی کے ساتھ اونے پونے سودا کر لیا گیا۔ اس کباڑی کے کارندے کئی دن اس ڈھانچے کو کاٹتے کوٹتے رہے اور بالآخر ایک دن کراچی کی یہ علامت کراچی کے افق سے غائب ہوگئی۔ کالا چھپرا اسٹاپ اگلے 20 سال تک پھر بھی قائم رہا، بالآخر وہ بھی تاریخ کے اوراق میں گم ہوگیا۔

1930ء میں فرانس میں گر کر تباہ ہونے والا بدقسمت ایئر شپ R-101 جسے کالا چھپرا کراچی ایئرپورٹ پر اترنا تھا

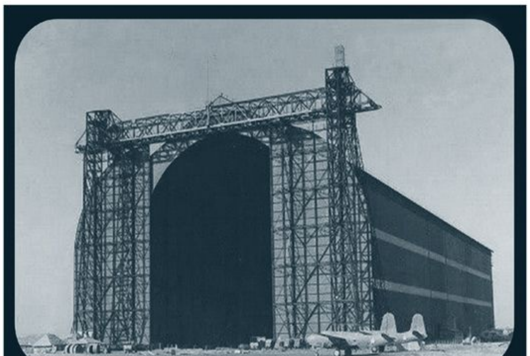

کالا چھپرا، کراچی ایئرپورٹ 1940ء

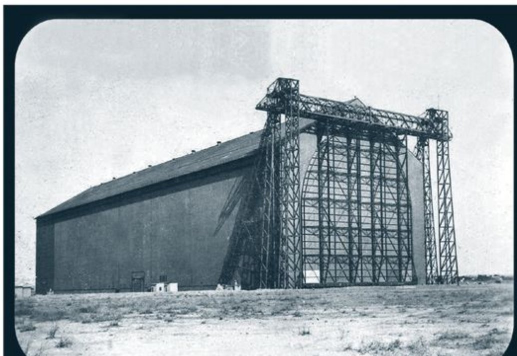

کالا چھپرا کراچی ایئرپورٹ 1947ء

ماہنامہ کمائی بیورو کراچی

’طے شدہ امن منصوبے میں ترامیم‘ یا ملک کی اندرونی سیاست اور دباؤ:

پاکستان نے ٹرمپ کے غزہ منصوبے سے دوری کیوں اختیار کی؟

بظاہر پاکستان، امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی طرف سے پیش کردہ مجوزہ غزہ امن منصوبے سے دوری اختیار کرنے کی کوشش کرتا نظر آ رہا ہے اور نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ اسحاق ڈار نے واضح کیا ہے کہ یہ منصوبہ اُن نکات سے مختلف ہے جو آٹھ مسلم ممالک نے تجویز کیے تھے۔

اسحاق ڈار نے کہا کہ ’یہ ہماری دستاویز نہیں ہے۔‘

یاد رہے کہ وائٹ ہاؤس پر امن منصوبے کے نکات شیئر کرنے اور اس سے قبل اسرائیلی وزیر اعظم نتن یاہو اور صدر ٹرمپ کی ملاقات سے گھنٹوں پہلے ہی پاکستان کے وزیر اعظم شہباز شریف نے اس امن منصوبے کا خیر مقدم کیا تھا اور کہا تھا کہ ’میں صدر ٹرمپ کے 20 نکاتی منصوبے کا خیر مقدم کرتا ہوں، جس کا مقصد غزہ میں جنگ کے خاتمے کو یقینی بنانا ہے۔۔۔‘

امن منصوبے کے اعلان کے موقع پر صدر ٹرمپ نے بھی دعویٰ کیا تھا کہ وزیر اعظم شہباز شریف اور فیلڈ مارشل عاصم منیر اُن کے غزہ منصوبے کے ’100 فیصد‘ حامی ہیں۔

مگر جیسے ہی اس منصوبے کی تفصیلات وائٹ ہاؤس کی ویب سائٹ پر شائع کی گئیں تو بظاہر پاکستانی کی پریشانی میں اضافہ ہوا۔

اور پھر اگلے ہی روز وزیر خارجہ اسحاق ڈار امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے غزہ امن منصوبے سے کچھ فاصلہ اختیار کرتے دکھائی دیے۔

پاکستانی حکومت کے اِس بدلتے موقف کے بعد یہ سوال اٹھتا ہے کہ یہ اچانک تبدیلی کیوں رونما ہوئی؟ کیا پاکستان نے ابتدا میں ٹرمپ کے منصوبے کی حمایت کرنے میں جلد بازی کا مظاہرہ کیا تھا؟ کیا حالیہ موقف کی تبدیلی اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو کے اصرار پر منصوبے میں کی گئی ترامیم کا ردعمل ہے، یا اس کے پیچھے پاکستان کا اندرونی سیاسی دباؤ اصل وجہ ہے؟

خیال رہے ٹرمپ کے غزہ منصوبے اور پاکستان کی جانب سے اس کی حمایت پر پاکستانی سیاستدانوں اور سوشل میڈیا صارفین کی جانب سے وسیع پیمانے پر تنقید کی گئی ہے۔

’ٹائمز آف اسرائیل‘ کی ایک رپورٹ کے مطابق نتن یاہو نے ٹرمپ سے ملاقات کے دوران اس معاہدے میں کچھ تبدیلیاں کروائی ہیں۔

رپورٹ میں بتایا گیا کہ ان ترامیم کے تحت اسرائیلی فوج کی غزہ سے واپسی اب مخصوص شرائط سے مشروط ہے اور ایک حفاظتی زون قائم کرنے کی تجویز بھی بعد میں شامل کی گئی ہے۔ اس سے قبل پیش کردہ منصوبے میں اسرائیل کی ریڈ لائنز کے حوالے سے وضاحت کم تھی۔

’اس میں ہماری تجویز کردہ ترامیم شامل نہیں ہیں‘

منگل کو اسلام آباد میں پریس کانفرنس میں نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ اسحاق ڈار نے کہا کہ امریکی صدر ٹرمپ کے غزہ امن منصوبے میں وہ اہم نکات شامل نہیں جو پاکستان نے سات دیگر مسلم ممالک کے ساتھ مل کر تجویز کیے تھے۔

انھوں نے کہا کہ ’یہ اہداف ہم نے انھیں (ٹرمپ) کو بتائے تھے اور ان سے کہا تھا کہ وہ ان کے حصول میں ہمارے ساتھ کام کریں۔‘ ڈار نے مزید کہا کہ امریکی صدر نے آٹھ ممالک کے وزرائے خارجہ سے ایک ’قابلِ عمل حل‘ دینے کا وعدہ کیا تھا۔

تاہم، اسحاق ڈار کے مطابق اسرائیلی وزیرِ اعظم نتن یاہو کی مداخلت کے بعد امریکی منصوبے میں تبدیلی کی گئی اور اس میں ایسی شرائط شامل کر دی گئیں جن کے تحت اسرائیل کا انخلا حماس کے ہتھیار ڈالنے سے مشروط ہے۔

بعد میں نجی چینل جیو نیوز پر شاہزیب خانزادہ کے پروگرام میں میزبان کے اس سوال کے ’کیا یہ وہی معاہدہ ہے جس پر آپ لوگوں کا اتفاق ہوا تھا؟‘ اسحاق ڈار نے اپنی بات دہراتے ہوئے کہا کہ ’اس میں ہماری تجویز کردہ تمام ترامیم شامل نہیں ہیں‘۔

اسحاق ڈار نے کہا ’جوائنٹ سٹیٹمنٹ میں ہم نے صدر ٹرمپ کے الگ نقطۂ نظر کو تسلیم کیا اور سراہا ہے، اور اس کے بعد ہم نے اپنا ایجنڈا ابھی دوبارہ دہرایا کہ ہم کن اہداف کے لیے پرعزم ہیں اور ہم مل کر صدر ٹرمپ اور ان کی ٹیم کے ساتھ یہ حاصل کریں گے۔ اور آٹھ ممالک اس پر پرعزم ہیں۔‘

نائب وزیر اعظم اسحاق ڈار نے کہا کہ قطر سمیت دو عرب ممالک نے یقین دہانی کروائی ہے کہ حماس اس معاہدے کو قبول کرے گا۔

اسحاق ڈار نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ’میں واضح کر دوں کہ ہم کسی (ابراہم) ایکارڈ کا حصہ نہیں بننے جا رہے۔ ہماری پالیسی وہی ہے: اسرائیل کو جس حیثیت میں ہے ویسا ہی رہنے دیں، ہم اسرائیل کو تسلیم کرنے کی طرف نہیں جا رہے۔ ہمارا مقصد صرف انسانی مدد، خون ریزی روکنا اور ویسٹ بینک کو بچانا ہے۔ ہم اس کام کے لیے آٹھوں ممالک کے ساتھ پرعزم ہیں اور جب بھی ضرورت ہوگی ہم دستیاب ہوں گے، ہم نے کمٹمنٹ دے دی ہے۔‘

میزبان کے اس سوال کے نتن یاہو کی ضمانت کون دے گا؟ کیا آپ ٹرمپ پر بھروسہ کرتے ہیں کہ وہ اس کی پاسداری کرائیں گے؟ نائب وزیر اعظم نے کہا کہ ’گارنٹی کون دے سکتا ہے؟ اسی وجہ سے ہم نے اسرائیل سے براہِ راست رابطہ نہیں کیا، یورپی کوششیں ناکام رہیں۔ اب چوائس یہ ہے کہ مزید فلسطینیوں کی جانیں خطرے میں ڈالیں یا فوری طور پر بچاؤ کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ صدر ٹرمپ کے ذریعے بہتر طریقے سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔‘

’بظاہر اسرائیلی فوج کی واپسی نتن یاہو کی خواہش کے مطابق ہوگی‘

اٹلانٹک کونسل کے ڈین شاپیرو، اسرائیل میں امریکہ کے سابق سفیر اور سابق نائب سیکرٹری دفاع برائے مشرق وسطیٰ رہ چکے ہیں۔

نتن یاہو کی تجویز کردہ ترامیم کے حوالے سے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ ’سب سے اہم تبدیلی یہ ہے کہ اسرائیلی فوج کی واپسی ٹرمپ کے منصوبے کے مطابق نہیں بلکہ نتن یاہو کی خواہش کے مطابق ہوگی۔ حالانکہ ٹرمپ کے منصوبے میں بھی مرحلہ وار واپسی شامل تھی۔‘

اسرائیلی وزیر اعظم کی تجویز کردہ ترامیم کے حوالے سے ڈین شاپیرو کہتے ہیں کہ ’نتن یاہو یہ چاہتے تھے کہ حماس کے ہتھیار ڈالنے کے عمل اور اسرائیلی فوج کی غزہ سے واپسی کے وقت اور دائرہ کار کے درمیان واضح ربط بنایا جائے اور یہی ایک بڑی تبدیلی تھی۔ وہ یہ بھی واضح کرنا چاہتے تھے کہ فلسطینی اتھارٹی کے لیے ایک اصلاحاتی عمل ضروری ہو، جو جنگ کے بعد یا کم از کم اپنے کردار کے آغاز کے دوران عمل میں آئے۔‘

وہ کہتے ہیں کہ پیر کو پریس کانفرنس اور شائع ہونے والے منصوبے میں بتایا گیا کہ واپسی کے مراحل حماس کے ہتھیار ڈالنے کی پیش رفت سے جڑے ہوں گے۔ اس کے علاوہ واپسی کے آخری مرحلے میں بھی آئی ڈی ایف غزہ میں ایک حفاظتی حدود برقرار رکھے گی جب تک کہ سکیورٹی صورتحال بہتر نہ ہو جائے۔

ڈین کے مطابق 'یہ وہ نکات تھے جو پیر کو ٹرمپ نے پیش کیے لیکن ممکن ہے کہ یہ منصوبہ ہفتے کے آغاز میں عرب رہنماؤں یا نیو یارک میں پہلے پیش کیے گئے منصوبے سے مختلف ہو کیونکہ ہم مکمل طور پر نہیں جانتے کہ ٹرمپ نے انھیں (نتن یاہو) کیا منصوبہ پیش کیا تھا۔'

اس سوال کہ کیا عرب رہنما اور پاکستان جیسے دیگر مسلم ممالک ان تبدیلیوں پر راضی ہوں گے؟ اسرائیل میں امریکہ کے سابق سفیر ڈین شاپیرو کا کہنا تھا کہ 'میرے خیال میں یہ جنگ ختم کرنے، یرغمالیوں کو آزاد کرانے، فلسطینی شہریوں کو انسانی امداد فراہم کرنے، ان کی جانوں کو لاحق خطرے کو ختم کرنے اور غزہ کی تعمیر نو کے ذریعے پرامن مستقبل کی شروعات کا بہترین موقع ہے۔'

اُن کا کہنا تھا کہ 'وہ ابھی اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے کہ عرب اور مسلم ممالک کی پوزیشن کیا ہوگی۔ لیکن اگر وہ چاہتے ہیں کہ جنگ ختم ہو، تو یہی موقع ہے۔ خاص طور پر وہ ممالک جو حماس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، جیسے قطر اور ترکی، ان پر یہ ذمہ داری ہے کہ حماس سے مثبت جواب لیں، ورنہ جنگ جاری رہے گی۔'

پاکستان کی پالیسی میں اچانک تبدیلی کیوں؟

قائداعظم یونیورسٹی سے وابستہ پروفیسر محمد شعیب کہتے ہیں کہ پاکستان کی محتاط حکمت عملی صرف اس دستاویز یا منصوبے تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق ملکی کی اندرونی سیاست سے بھی ہے۔

بی بی سی سے بات کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ 'ایک ایسے ملک میں جہاں یہودی سیاسی رہنماؤں کے ساتھ ہاتھ ملانا آپ کے کیریئر کے لیے مہنگا ثابت ہوسکتا ہے، وہاں نئے اور غیر روایتی حل کو اپنانا مشکل ہے۔'

پروفیسر شعیب کے مطابق نتن یاہو کی کروائی گئی ترامیم ایک مسئلہ تو ہیں لیکن 'اسرائیلی وزیراعظم چاہتے ہیں کہ صورتحال بہتر ہوگی تو فوج کو نکالیں گے، مگر یہ (اسلامی مالک) چاہتے ہیں کہ آئی ڈی ایف پہلے ہی غزہ سے نکل جائے۔'

انھوں نے کہا کہ پاکستان اس معاہدے سے مکمل دوری نہیں اختیار کرے گا۔ 'اصل مقصد یہ ہے کہ عرب اور ترک قیادت سنبھالیں اور پاکستان یہ موقف اختیار کر سکے کہ ہم مسلم ممالک کے ساتھ کھڑے ہیں۔ ایسا موقف ملک میں عوامی رائے کو مثبت کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرے گا۔'

'اور وسیع تر نقطہ نظر میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ جنگ بندی ہوگی اور امداد جانا شروع ہوگی اور جب تک ٹرمپ کھڑے ہیں، یہ ممکن ہوسکتا ہے۔'

اسحاق ڈار کے مؤقف میں تبدیلی کے حوالے سے وہ کہتے ہیں کہ 'ٹرمپ کے سامنے کہی گئی بات سے ملک میں سخت گیر مؤقف رکھنے والے طبقے کو مطمئن کرنا مشکل ہے۔ اس میں فرق تو لازمی ہوگا اور غزہ جیسے مشکل اور بڑے ایشو کو حل کرنے کے لیے ایسا کرنا لازم ہے۔'

'ایک لطیفہ چل رہا ہے کہ امریکہ، سودی عرب، حماس، نتن یاہو سب راضی ہو بھی جائیں تو بھی سوشل میڈیا وارییرز اور سخت گیر مذہبی طبقے راضی نہیں ہو رہے، اُن کا خیال ہے کہ حل وہی ہے جو وہ بتا رہے ہیں۔'

خیال رہے پاکستان میں سوشل میڈیا سے لے کر سیاسی جماعتوں تک سبھی ٹرمپ کے منصوبے پر تنقید کرتے نظر آتے ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ اس مجوزہ معاہدے میں دو ریاستی حل کا واضح ذکر نہیں ہے۔

پاکستان تحریک انصاف نے اس منصوبے کو 'اقوام متحدہ کے قراردادوں اور بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی' قرار دیتے ہوئے کہا کہ یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کرنا اور گولان پہاڑیوں پر قبضے کو جائز قرار دینا علاقائی امن کے لیے خطرہ ہے۔

جماعت اسلامی کے سربراہ حافظ نعیم الرحمن نے حکومت کی غزہ کے حوالے سے پالیسی اور ٹرمپ کے منصوبے کی حمایت پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ ٹرمپ کے 'امن منصوبے کی تعریف جو 66 ہزار فلسطینیوں کی لاشوں پر مبنی ہے' ظالموں کے ساتھ کھڑا ہونے کے مترادف ہے۔

غزہ میں جنگ کے خاتمے اور تباہ شدہ علاقے کی تعمیر نو وہ عوامل ہیں جس کے لیے امریکہ کے صدر نے معاہدے کا فریم ورک جاری کیا ہے۔

گو اس فریم ورک کی زیادہ تر تفصیل خود امریکی صدر نے ہی فراہم کی ہے۔ عرب اور دیگر اسلامی ممالک جیسے قطر، سعودی عرب، مصر، اردن، ترکیہ، متحدہ عرب امارت، پاکستان اور انڈونیشیا نے بھی معاہدے کے لیے دباؤ ڈالا۔ اسرائیل کے وزیراعظم بنیامین نتن یاہو نے اسے تسلیم کیا حالانکہ وہ آزاد فلسطینی ریاست کے خلاف ہیں۔

اس معاہدے پر تیزی سے آگے بڑھنے کے لیے ٹرمپ نے عسکریت پسند تنظیم حماس کو معاہدے قبول کرنے یا مسترد کرنے کے لیے دو سے تین دن کا وقت دیا تھا۔

اور اگر حماس کا جواب 'نہیں' میں ہوا تو پھر جنگ جاری رہے گی۔

یہ مجوزہ منصوبہ کافی حد تک ویسا ہی جس کا اعلان جو بائیڈن نے تقریباً ایک سال پہلے کیا تھا۔ ایک سال کے دوران بڑے پیمانے پر غزہ میں فلسطینیوں کی ہلاکتیں ہوئیں، تباہی ہوئی اور اب خوراک کی قلت ہے جبکہ حماس کے قید میں موجود اسرائیلی قیدیوں نے مزید تکلیف کاٹی ہے۔

اسرائیلی میڈیا کی رپورٹس کے مطابق سابق امریکی صدر بائیڈن کا معاہدہ اس لیے آگے نہیں بڑھ سکا تھا کیونکہ نتن یاہو نے اپنی کابینہ میں موجود افراد کے دباؤ میں آ کر اپنے مطالبات مزید بڑھا دیے تھے۔

یہ فریم ورک ایک اہم موقع ہے اور یہ پہلی مرتبہ ہے کہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ جنگ ختم کرنے کے لیے اسرائیل پر دباؤ ڈال رہے ہیں۔

ٹرمپ نے اپنا تاثر کچھ ایسے رہنما کے طور پر بنایا ہے جنھیں انکار کرنا مشکل ہے، کیونکہ کوئی بھی یوکرین صدر ولادیمیر زیلنسکی کی طرح اوول آفس میں بیٹھ کر رسوا نہیں ہونا چاہتا لیکن مختلف ممالک کے رہنماؤں کے وائٹ ہاؤس چھوڑنے کے بعد چیزیں اکثر بدل جاتی ہیں۔

بنیامین نتن یاہو اسرائیل واپس جانے کے لیے واشنگٹن ڈی سی سے روانہ ہوئے تو اُن کے سٹاف نے اپنے وزیراعظم کے مختلف بیانات پر مبنی ویڈیو بنائی۔ ویڈیو کا ایک حصہ اسرائیل کے ساتھ ایک آزاد فلسطین ریاست کے قیام کے بارے دو ریاستی حل پر تھا، برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک کوشش کر رہے ہیں کہ فلسطین ریاست کو تسلیم کیا جائے۔

صدر ٹرمپ نے مجوزہ منصوبہ میں بھی آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کی حامی بھری ہے۔ پلان میں کہا گیا ہے کہ غزہ کی دوبارہ ترقی اور فلسطینی اتھارٹی کی جانب سے اصلاحاتی پروگرام پر عمل کے ساتھ فلسطینیوں کی خود ارادیت اور ریاست کے لیے حالات سازگار ہو سکیں گے جسے ہم فلسطینی عوام کی خواہش کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔

ایک فلسطینی ریاست کے مبہم امکانات بھی نیتن یاہو کے لیے بہت زیادہ ہیں۔ انھوں نے وائٹ ہاؤس میں ٹرمپ کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے انگریزی میں کہا تھا کہ 'میں غزہ میں جنگ کے خاتمے کے لیے آپ کے منصوبے کی حمایت کرتا ہوں، جس ہم ہمارے جنگی مقاصد پورے ہو رہے ہیں۔'

ویڈیو میں نتن یاہو عبرانی زبان میں اسرائیل واپسی پہنچنے سے پہلے اپنی عوام کو کچھ پیغام دے رہے ہیں، جب انُ سے پوچھا گیا کہ کیا وہ فلسطینی ریاست کے لیے راضی ہیں۔

انھوں نے کہا کہ 'نہیں، بالکل نہیں۔ یہ تو معاہدے میں بھی نہیں لکھا ہے۔ لیکن ہم نے ایک بات کہی ہے۔ کہ ہم فلسطینی ریاست کے قیام پر بھرپور مزاحمت کریں گے۔' انھوں نے کہا کہ ٹرمپ نے بھی اس پر اتفاق کیا ہے۔

منصوبے کی طاقت یہی ہے کہ اس کا تسلسل برقرار رہے۔ منصوبے کی کمزوری یہ ہے کہ اس میں زیادہ تفصیلات نہیں ہیں جو ٹرمپ کی سفارتکاری کا ایک اہم جزو ہے۔

ٹرمپ اور نتن یاہو نے جس دستاویز کی توثیق کی ہے اس میں اسرائیل فوج جنگ زدہ علاقے سے انخلا کا بھی روڈ میپ دیا گیا ہے لیکن یقینی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جنگ کو ختم کرنے کے لیے بنایا گیا یہ سفارتی معاہدہ جاری رہے گا یا ختم ہو جائے گا۔

اگر اس معاہدے نے آگے بڑھنا ہے تو ضروری ہے کہ سخت مذاکرات کیے جائیں، مگر ایسی صورت میں اس کے ختم ہونے کا امکان موجود ہے۔

فی الحال اسرائیل کی تمام بڑی جماعتوں نے اس کی توثیق کی ہے لیکن نتن یاہو کی اتحادی حکومت میں شامل وہ انتہا پسند قومی جماعتیں جو ٹرمپ کی غزہ میں نیا شہر آباد کرنے کے منصوبے پر خوش ہیں، وہ اس مجوزہ منصوبے کی مذمت کر رہی ہیں۔

غزہ میں عوام کو کہیں اور منتقل کر کے اُسے سیاحتی مقام میں تبدیل کرنے کی جو ویڈیو جاری کی گئی تھی جس میں امریکی اور اسرائیلی غزہ کے ساحل پر لطف اندوز ہو رہے تھے۔

اسرائیل کے دائیں بازو کے سخت گیر اس بات پر خوش تھے کہ رویرا کے منصوبے میں غزہ سے 20 لاکھ سے زیادہ فلسطینیوں کو دوسرے مقام پر منتقل کر دیا جائے گا۔ یہودی انتہا پسند چاہتے ہیں کہ اس زمین پر قبضہ کر کے یہاں یہودی آبادیاں بنائی جائیں۔

اس نئے مجوزہ پلان کے تحت کہا گیا ہے کہ فلسطینیوں کو نقل مکانی پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اسرائیل وزیر خزانہ جو سخت گیر قوم پرست ہیں، ٹرمپ کے معاہدے کا موازنہ سنہ 1938 میں میونخ میں ہونے والے معاہدے سے کر رہے ہیں۔

اس معاہدے میں امریکہ اور فرانس نے چیک سلوا کیہ کو مجبور کیا تھا کہ وہ اپنی زمین نازی جرمنی کو دے۔

اگر حماس اس معاہدے کو تسلیم کر لیتی ہے اور نتن یاہو اپنی اتحادی حکومت اور سموٹریچ جیسے دیگر انتہا پسندوں کو راضی کرنے کے طریقے تلاش کرنا چاہتے ہیں تو اُن کے پاس مذاکرات کو ناکام بنانے کے لیے کئی جواز موجود ہوں گے اور ناکامی کا الزام حماس پر عائد ہوگا۔

ٹرمپ کے معاہدے کا فریم ورک اسرائیل کو اُن تمام شرائط کو ویٹو کرنے کے متعدد مواقع فراہم کرتا ہے جنھیں وہ پسند نہیں کرتا ہے۔

ایسی صورتحال میں ایک صدی سے زائد عرصے پر محیط اس گھمبیر تنازعے کو ختم کرنا ممکن نہیں ہے۔ اسرائیل اور امریکہ کے علاوہ برطانیہ سمیت کئی ممالک کے خیال میں طویل مدت میں فلسطین کی آزادی کے بغیر کوئی بھی حل دیرپا امن قائم نہیں کر سکتا ہے۔

عرب اور اسلامی ممالک نے معاہدے کے بعد جو مشترکہ اعلامیہ جاری کیا ہے اُس کے مطابق انھوں نے غزہ کی تعمیر، اسرائیلی افواج کے مکمل انخلا اور امن کے قیام کے بین الاقوامی قوانین کے تحت دو ریاستی حل کی بنیاد پر آزاد فلسطینی ریاست کی تشکیل کی پر اتفاق کیا ہے جس میں غزہ مغربی کنارے کے ساتھ فلسطین ریاست کا حصہ ہوگا۔

اس میں عالمی عدالت برائے انصاف کے اس فیصلے کو بطور قانونی حوالا لیا جا سکتا ہے کہ اسرائیل کا فلسطینی اراضی پر قبضہ غیر قانونی ہے۔

نتن یاہو کا خیال ہے کہ ٹرمپ کے معاہدے سے انھوں عسکری تنظیم حماس پر برتری ملی ہے۔ وہ دریائے اردن اور سمندر کے درمیان کی زمین پر فلسطینیوں کے کسی بھی حق کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

منصوبہ ایک ہے لیکن سمجھنے کے لیے دو مختلف ورژن ہیں۔ ۔دونوں کی تشریحات کے لیے فریم ورک کافی مبہم ہے جو کہ ایک امید افزا آغاز نہیں ہے۔

استعمال شدہ کاروں کی کمرشل بنیادوں پر درآمد کی اجازت:

'اب پاکستان میں گاڑیاں پروڈکشن لائن سے نہیں، بندرگاہ کے ذریعے آئیں گی'

اگر پاکستان میں گاڑیاں اسمبل کرنے کی صنعت ختم ہوگئی تو اس کا متبادل کیا ہوگا؟ یہ وہ سوال ہے جو شہریار قدیر جیسے آٹو پارٹس مینوفیکچررز (گاڑیوں کے پرزے بنانے والے) کے ساتھ ساتھ کئی آٹو اسمبلرز کے ذہنوں میں گردش کر رہا ہے۔

شہریار کہتے ہیں کہ اس صورت میں بڑی کمپنیاں پارٹس منگوا کر اسمبل کرنے کی بجائے پوری کی پوری کار ہی باہر سے درآمد کرنے کو ترجیح دیں گی یا 'صرف سکرو ڈرائیور اسمبلی کر کے دھڑا دھڑ گاڑیاں بیچیں گی۔' مگر انھیں خدشہ ہے کہ اس سے پاکستان میں آٹو پارٹس بنانے والی تقریباً 1200 چھوٹی بڑی کمپنیاں اور 18 لاکھ سے زیادہ لوگوں کی نوکریاں متاثر ہوں گی جو اس صنعت سے وابستہ ہیں۔

اس نوعیت کے خدشات ایک ایسے وقت میں پیدا ہوئے ہیں جب پاکستان میں استعمال شدہ گاڑیوں کی کمرشل بنیادوں پر درآمد کی اجازت دی گئی ہے جس کے لیے وزارت کامرس نے 30 ستمبر کو جاری کیے گئے اپنے نوٹیفیکشن میں کہا ہے کہ یہ (استعمال شدہ گاڑیوں کی درآمد) ماحولیاتی اور حفاظتی معیارات کی سخت تعمیل سے مشروط ہوگی۔

اس کی منظوری 24 ستمبر کو کابینہ کی اقتصادی رابطہ کمیٹی نے دی تھی جس کے اعلامیے میں کہا گیا تھا کہ ابتدائی طور پر زیادہ سے زیادہ پانچ سال پرانی گاڑیوں کی درآمد کی اجازت ہوگی جبکہ جون 2026 کے بعد پانچ سال والی حد بھی ختم کر دی جائے گی۔

مئی میں بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) نے پاکستان کے لیے سات ارب ڈالر قرض پروگرام کے سلسلے میں کچھ نئی شرائط عائد کی تھیں جن میں استعمال شدہ گاڑیوں کی درآمد پر پابندی ختم کرنا بھی شامل تھا۔ اس سے قبل ملک میں صرف پرسنل بیگیج یا گفٹ سکیم کے تحت اکثر جاپان سے استعمال شدہ گاڑیاں درآمد کی جاتی تھیں جن پر بھاری ڈیوٹیز عائد ہوتی تھیں۔

آئی ایم ایف نے اپنی کنٹری رپورٹ میں کہا تھا کہ پاکستان کے آٹو اسمبلرز کو بیرونی مقابلے سے تحفظ کے لیے حاصل سبسڈی، رعایت اور ترجیح ختم کی جائے۔' آئی ایم ایف چاہتا ہے کہ گاڑیوں کی قیمتوں میں کمی کے لیے پاکستانی حکومت امپورٹ ٹیرف میں واضح کمی لائے۔

تاہم اب پاکستان کے آٹو اسمبلرز اور پارٹس مینوفیکچررز نے اس پیشرفت پر سخت ردعمل دیا ہے۔ سوزوکی، ٹویوٹا اور ہنڈا جیسے کار اسمبلرز کی نمائندہ تنظیم 'پاما' کو خدشہ ہے کہ اس سے گاڑیوں کی مقامی صنعت تباہ ہو جائے گی اور لاکھوں لوگ بیروزگار ہو سکتے ہیں۔

جبکہ ہوال نامی ایس یو وی کاریں فروخت کرنے والی کمپنی 'سازگار' کا کہنا ہے کہ فی الحال حکومت کی عائد کردہ 40 فیصد ریگولیٹری ڈیوٹی سے مارکیٹ پر درآمدات کا دباؤ کم رہے گا۔

'اسمبلی پلانٹ بیچ کر وہاں ہاؤسنگ سوسائٹی بنالوں گا'

پاکستان ایسوسی ایشن آف آٹو موٹیو پارٹس اینڈ اسیسریز مینوفیکچررز (پاپام) کے سینیئر وائس چیئرمین شہریار قدیر نے بی بی سی کو بتایا کہ ملک میں آٹو کمپنیوں کی رائے ہے کہ اگر نیا ٹیرف نظام لاگو ہو گیا تو انھیں نئی گاڑیاں بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔

اُن کا کہنا ہے کہ اگر خام مال اور کار پر ایک جتنا ٹیرف نافذ ہوگا تو ہزاروں ورکرز کے ذریعے فیکٹری چلانے کی بجائے اسمبلرز شوروم کھول کر درآمد شدہ گاڑیاں بیچ لیں گے۔ فیکٹری کے تمام اخراجات برداشت کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔

وہ ایک بڑے آٹو میکر کے اِن الفاظ دہراتے ہیں کہ 'ہمارا اربوں روپے کا پلانٹ اتنے سو ایکڑ پر ہے، میں پلانٹ بیچ دوں گا اور اس پر ہاؤسنگ سوسائٹی بنالوں گا اور پیسے بینک میں رکھ لوں گا۔۔۔ مجھے فیکٹری کے 30 ہزار لوگوں کی بجائے دفتر میں صرف 300 لوگ درکار ہوں گے۔۔۔ ہمارا کاروبار صرف یہی رہ جائے گا کہ ہم باہر سے گاڑیاں منگوا کر یہاں بیچیں۔'

شہریار کے بقول اسمبلرز نے حکومت کو متنبہ کیا ہے کہ ایسا کرنے سے 'لوکل انڈسٹری میں ملازمتیں ختم ہو جائیں گی اور پارٹس کے وینڈرز کی ضرورت نہیں پڑے گی۔'

اُن کا کہنا تھا کہ اس صنعت کو یہاں تک پہنچنے میں 45 سال لگے اور صرف وینڈر انڈسٹری میں گذشتہ چار سال کے دوران ایک ارب روپے کی سرمایہ کاری کی گئی جو ضائع ہو جائے گی۔ 'ایسے میں باہر سے سرمایہ کاری کون لائے گا؟'

ماہرین کی رائے ہے کہ پاکستان میں پہلے ہی گاڑیوں کی اسمبلی سست روی کا شکار ہے جبکہ جاپان سے درآمد شدہ پرانی گاڑیاں ایک چوتھائی مارکیٹ کو کنٹرول کرتی ہیں۔

شہریار کہتے ہیں کہ 'ہم پچھلے 25 سال سے سالانہ ڈیڑھ لاکھ گاڑیوں پر کھڑے ہیں۔ 2005 میں اور 2025 میں سالانہ ایک ہی جتنی گاڑیاں اسمبل کی گئیں۔۔۔ آج تک کسی آٹو پالیسی کا کوئی مقصد پورا نہیں ہو سکا۔ یہ غلطی ہماری انڈسٹری کی ہے یا جنھوں نے اس پر عملدرآمد کرانا تھا؟'

وہ کہتے ہیں کہ 'انڈیا اور تھائی لینڈ کے مقابلے پاکستان میں گاڑیاں بنانے کے لیے خام مال موجود نہیں، اسی لیے ہمیں خام مال درآمد کرنا پڑتا ہے اور ملک میں بجلی اور ایندھن کی قیمتیں بھی زیادہ ہے۔'

وہ شکوہ کرتے ہیں کہ گاڑیوں کی قیمت میں '40 سے 50 فیصد حکومتی

ٹیکسز ہیں۔' وہ مثال دیتے ہیں کہ 'فارچونر کی مینوفیکچرنگ کاسٹ قریب 90 لاکھ روپے ہے۔ لیکن اس کی قیمت سوا دو کروڑ روپے ہے۔ یہ باقی پیسہ ٹیکسز کی مد میں حکومت کو جا رہا ہے۔'

اُدھر سوزوکی، ٹویوٹا اور ہنڈا سمیت کار اسمبلرز کی نمائندہ تنظیم پاما سے وابستہ عبدالوحید خان کا کہنا ہے کہ اگر استعمال شدہ گاڑیوں کی درآمد میں عمر کی قید ختم ہو جائے گی اور ڈیوٹی بتدریج کم ہوتی جائے گی تو یہ مقامی آٹو سیکٹر کے لیے نقصان دہ ہوگا۔ 'جیسے ہی ایک کار امپورٹ ہو کر بندرگاہ پر پہنچے گی تو پروڈکشن لائن پر ایک کار کم بنے گی۔'

عبدالوحید خان کہتے ہیں کہ کمپنیوں نے بھاری سرمایہ کاری کر رکھی ہے مگر اس پالیسی کے نتیجے میں ان کی آمدن کے ساتھ ساتھ ملازمین بھی متاثر ہوں گی۔

ملک میں چاہے گاڑیاں اسمبل ہوں یا امپورٹ، مشکلات رہیں گی

پاما سے وابستہ عبدالوحید خان کا کہنا ہے کہ آٹو انڈسٹری اِسی سمت میں آگے بڑھے گی جو حکومت طے کرے گی۔ اُن کا دعویٰ ہے کہ حکومت مقامی صنعت کو سپورٹ نہیں کر رہی۔

بعض ماہرین کا خیال ہے کہ آٹو کمپنیوں کو اپنے کاروباری ماڈل تبدیل کرنے پڑ سکتے ہیں۔

آل پاکستان موٹر ڈیلرز ایسوسی ایشن کے سربراہ ایچ ایم شہزاد کہتے ہیں کہ مقامی کمپنیوں کو حاصل تحفظ ہی ان کے زوال کی وجہ بنا ہے۔ ان کا اعتراض ہے کہ کمپنیوں نے کئی دہائیاں گزرنے کے باوجود لوکلائزیشن پر کام نہیں کیا اور عام لوگوں کے لیے سستی گاڑیاں نہیں بنائیں۔

وہ انڈیا کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہاں سوزوکی آلٹو جیسی کار کی قیمت چار لاکھ انڈین روپے ہے مگر پاکستان میں آلٹو ساڑھے 33 لاکھ روپے کی ہے۔

شہزاد کہتے ہیں کہ ٹیکسز اور ڈیوٹیز تو درآمد شدہ پرانی گاڑیوں پر بھی بہت زیادہ ہیں مگر پھر بھی یہ عام صارفین کے لیے بہتر متبادل ہوتی ہیں۔ 'جون 2026 تک 40 فیصد ریگولیٹری ڈیوٹی عائد کر کے آپ نے پھر لوکل اسمبلرز کو تحفظ دیا ہے۔'

وہ کہتے ہیں کہ تمام چھوٹی بڑی گاڑیوں پر 40 فیصد ڈیوٹی کا مطلب ہے کہ عام لوگوں کے لیے قیمت کم ہونے کی بجائے بڑھے گی۔

شہزاد کی رائے ہے کہ گاڑیاں اسمبل کرنے والی کمپنیاں بھی ملک میں گاڑیوں کی کِٹس امپورٹ کرتی ہیں اور اس سے خاطر خواہ ملازمتیں پیدا نہیں ہوتیں۔ 'نئی کمپنیاں بھی لوکلائزیشن نہیں کر رہیں۔ ان کی حالت ٹویوٹا اور ہنڈا سے بھی بدتر ہے۔'

وہ کہتے ہیں کہ اس وقت گاڑیاں سستی نہیں ہو سکیں گی جب تک لوکلائزیشن نہیں ہوگی۔

ادھر پاکستان میں گاڑیوں کے اسمبلرز کی نمائندہ تنظیم پاما کے ڈائریکٹر جنرل عبدالوحید خان نے کہا کہ لوکل سطح پر گاڑیوں اور پارٹس کی صنعت قائم ہونے میں اربوں روپے کی سرمایہ کاری کی گئی اور اس میں کئی دہائیاں لگی تھیں۔ '1980 سے اب تک 45 سال میں جو کچھ حاصل ہوا تھا، یہ اب خطرے میں ہے۔'

وہ تسلیم کرتے ہیں کہ آٹو پالیسی میں مسلسل ردوبدل کے باعث اس صنعت کو 'ٹیک آف ہونے نہیں دیا گیا۔ والیوم ہی اتنے نہیں بڑھ سکے کہ لوکلائزیشن کو فروغ ملتا۔ سنہ 2000 کی دہائی میں 50 فیصد پیداوار بڑھی مگر 2008 سے 2009 میں یہ صنعت عالمی معاشی بحران کے باعث زوال کا شکار ہوئی۔'

وہ کہتے ہیں کہ حکومت آئی ایم ایف کی شرائط کے پیش نظر مقامی صنعت کو حاصل تحفظ ختم کر رہی ہے اور استعمال شدہ گاڑیوں کی درآمد آسان بنا رہی ہے۔ مگر ان کا کہنا ہے کہ اس سے نئے چیلنجز پیدا ہو سکتے ہیں۔ 'جون 2026 کے بعد لوگ پانچ سال سے زیادہ پرانی گاڑیاں بھی منگوا سکیں گے، لیکن ہمارے پاس ان گاڑیوں کی ماحولیاتی اور سیفٹی ٹیسٹنگ کا کوئی انفراسٹرکچر موجود نہیں ہے۔'

وہ کہتے ہیں کہ حکومت کو پری شپمنٹ انسپکشن سرٹیفیکیٹس پر انحصار کرنا پڑے گا مگر سوال یہ ہے کہ یہ 'کس حد تک قابل اعتماد ہوگا؟'

وہ یہ سوال بھی کرتے ہیں کہ اتنی بڑی تعداد میں گاڑیوں کی درآمد کے لیے 'غیر ملکی زرمبادلہ کہاں سے لایا جائے گا؟'

اگرچہ حکومت اب بھی درآمد ہونے والی گاڑیوں پر 2026 تک 40 فیصد ڈیوٹی وصول کرے گی مگر انھیں ڈر ہے کہ قیمت کے تخمینوں کے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں اور لوگ پرانی گاڑیوں کی انڈر انوائسنگ کر سکتے ہیں۔

'نئے ماحول میں مقابلہ بڑھے گا جس کا فائدہ صارفین کو ہوگا'

وزارت صنعت کے ماتحت انجینیئرنگ ڈیویلپمنٹ بورڈ کے ڈائریکٹر پالیسی عاصم ایاز کا کہنا ہے کہ پرانی گاڑیوں کی درآمد میں سیفٹی اور ماحولیاتی معیارات کی کڑی نگرانی کی جائے گی۔

وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ گاڑیوں کی درآمد بڑھنے سے مقامی صنعت متاثر ہوگی مگر ان کا کہنا ہے کہ پاکستانیوں کی بڑی تعداد ماضی میں یہ اعتراض اٹھاتی آئی ہے کہ مقامی کاریں معیار اور قیمت کے اعتبار سے پیچھے رہ گئی ہیں۔ ان کا کہنا ہے نئے ماحول میں مقابلہ بڑھے گا جس کا فائدہ صارفین کو ہی ہوگا۔

ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ آٹو سیکٹر تیزی سے بدل رہا ہے اور یہاں آپ دہائیوں تک اپنا ایک ہی ماڈل اسمبل کر کے فروخت نہیں کر سکتے جو جدید کوالٹی سٹینڈرز پر پورا نہ اترتا ہو۔

دریں اثنا ان کا کہنا تھا کہ ایسا نہیں ہوگا کہ گاڑیوں کے پرزوں اور پوری گاڑی پر ایک جتنی ڈیوٹی وصول کی جائے کیونکہ جن ملکوں میں بھی کار اسمبلی ہوتی ہے وہاں مقامی صنعت کو کچھ نہ کچھ پروٹیکشن دینا پڑتی ہے۔

ضرورت ہے
ماہنامہ کرائم بیورو کو بیورو چیف اور رپورٹرز کی ضرورت ہے۔ خواہشمند افراد رابطہ کریں:
انعام شاہ
(انچارج سندھ ڈیسک)
0304 3010516

انڈین وزیر دفاع، آرمی اور ایئر چیفس کے بیانات پر پاکستانی فوج کی تنبیہ:

’تباہی دونوں طرف ہوگی‘

پاکستانی فوج کے شعبہ تعلقات عامہ (آئی ایس پی آر) نے انڈیا کے وزیر دفاع، آرمی چیف اور ایئر چیف کے بیانات پر ردعمل دیتے ہوئے کہا ہے کہ پڑوسی ملک کی سکیورٹی اسٹیبلشمنٹ ’جارحیت کے لیے من گھڑت بہانے تراشنے کی کوشش کر رہی ہے۔‘

جمعرات کو انڈیا کے وزیر دفاع راج ناتھ سنگھ نے ’وجے دشمی‘ کے موقع پر ریاست گجرات میں ایک فوجی اڈے پر تقریب میں شرکت کے دوران دعویٰ کیا تھا کہ پاکستان ’سر کریک کے قریب علاقوں میں فوجی انفراسٹرکچر تعمیر کر رہا ہے۔‘ اسلام آباد نے تاحال اس دعوے پر تبصرہ نہیں کیا ہے۔

اتوار کو پاکستانی فوج نے اپنے پیغام میں کہا تھا کہ اسے انڈین سکیورٹی اداروں کی اعلیٰ قیادت کے ’غیر حقیقی، اشتعال انگیز اور جنگی جنون پر مبنی بیانات پر گہری تشویش ہے۔‘

آئی ایس پی آر نے کہا تھا کہ ایسے بیانات ’جنوبی ایشیا میں امن و استحکام کے لیے سنگین نتائج کا باعث بن سکتے ہیں۔‘

اس پیغام میں یہ بھی کہا گیا کہ مئی میں ’انڈین جارحیت نے دونوں ایٹمی طاقتوں کو جنگی تصادم کے دہانے پر لا کھڑا کیا تھا۔ شاید انڈیا اپنے تباہ شدہ لڑاکا طیاروں کے ملبے کو بھول چکا ہے۔‘

پاکستانی فوج نے متنبہ کیا ہے کہ انڈین وزیر دفاع، آرمی اور ایئر چیفس کے ’اشتعال انگیز بیانات‘ مستقبل میں بڑے پیمانے پر تباہی کا باعث بن سکتے ہیں اور ایسے میں پاکستان ’پیچھے نہیں رہے گا۔ ہم بلا جھجھک جواب دیں گے۔‘

آئی ایس پی آر کا کہنا تھا کہ ’پاکستان کی مسلح افواج میں یہ صلاحیت اور عزم ہے کہ لڑائی کو دشمن علاقے کے ہر کونے میں لے جائے۔‘

’جہاں تک پاکستان کو نقشے سے مٹانے کی بات ہے تو انڈیا کو واضح طور پر معلوم ہونا چاہیے کہ اگر ایسے حالات پیش آئے تو نقصان دونوں طرف ہوگا۔‘

انڈیا کے وزیر دفاع، آرمی چیف اور ایئر چیف نے کیا کہا تھا؟

جمعرات کو انڈیا کے وزیر دفاع راج ناتھ سنگھ نے دعویٰ کیا تھا کہ پاکستان سر کریک کے قریب علاقوں میں فوجی انفراسٹرکچر تعمیر کر رہا ہے۔ انھوں نے کسی بھی مہم جوئی کی صورت میں پاکستان کو سخت جواب دینے کی دھمکی دی تھی۔ اسلام آباد نے تاحال اس الزام پر کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے۔

راج ناتھ سنگھ نے ’وجے دشمی‘ کے موقع پر ریاست گجرات میں ایک فوجی اڈے پر تقریب میں شرکت کی۔ جس میں انڈین آرمی کے سربراہ سمیت دیگر سینیئر رہنما موجود تھے۔ اس دوران انھوں نے پاکستان کو تنبیہ کی۔ انھوں نے کہا تھا کہ ’آزادی کے 78 سال بعد بھی پاکستان بات چیت کے ذریعے مسئلے کو حل کرنے کی انڈیا کی بار بار کوششوں کے باوجود سر کریک سیکٹر

پر تنازعات پیدا کر رہا ہے۔

انڈین وزیر دفاع نے دعویٰ کیا کہ ’پاکستان کی طرف سے سر کریک سیکٹر میں فوجی بنیادی ڈھانچے کی حالیہ توسیع بدنیتی کی عکاسی کرتی ہے۔‘

انھوں نے یہ بھی کہا کہ ’سر کریک سیکٹر میں پاکستان کی طرف سے کسی بھی طرح کی مہم جوئی فیصلہ کن ردعمل کو دعوت دے گی۔‘

’اگر پاکستان سر کریک سیکٹر میں کسی قسم کی مہم جوئی کرنے کی ہمت کرتا ہے تو جواب اتنا شدید ہوگا کہ یہ تاریخ اور جغرافیہ دونوں کو بدل دے گا۔ 1965 میں انڈین فوج نے لاہور پہنچ کر ہمت کا مظاہرہ کیا اور 2025 میں پاکستان کو یاد رکھنا چاہیے کہ کراچی جانے والی سڑک بھی کریک سے گزرتی ہے۔‘

دریں اثنا جمعے کو انڈین آرمی چیف جنرل اپیندر دیودی نے راجستھان میں فوجی دستوں سے خطاب کے دوران پاکستان کو دھمکی دی تھی کہ ریاست پار دہشتگردی جاری رہی تو پاکستان کو دنیا میں نقشے میں اپنی جگہ پر نظر ثانی کرنا ہوگی۔‘

انھوں نے کہا تھا کہ اگر آئندہ کوئی تنازع ہوا تو انڈیا اس صبر و ضبط کا مظاہرہ نہیں کرے گا جو آپریشن سندور 1.0 کے دوران دکھایا گیا تھا۔

جبکہ جمعے کو 93 ویں یوم فضائیہ کی تقریب کے موقع پر انڈین ایئر فورس (آئی اے ایف) کے سربراہ ایئر مارشل امر پریت سنگھ نے ایک بار پھر دعوی کیا تھا کہ مئی میں ’آپریشن سندور‘ کے دوران پاکستان کے چار سے پانچ لڑاکا طیارے تباہ ہوئے جن میں زیادہ تر ایف-16 تھے۔

اُنھوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ پہلی مرتبہ پاکستان میں 300 کلومیٹر اندر ’طویل کارروائی‘ کی گئی جس میں پاکستان کی فوجی تنصیبات کو شدید نقصان پہنچایا گیا ہے۔

اس سے قبل ستمبر میں بھی انڈین فضائیہ کے سربراہ ایئر چیف مارشل اے پی سنگھ نے دعویٰ کیا تھا کہ انڈیا اور پاکستان کے درمیان کشیدگی کے دوران انڈیا نے پاکستان کے کم از کم چھ طیارے مار گرائے تھے۔

پاکستانی وزیر دفاع خواجہ آصف نے اس دعوے کی تردید کرتے ہوئے کہا تھا کہ ’ایک بھی پاکستانی طیارے کو نشانہ نہیں بنایا گیا اور نہ ہی کوئی تباہ ہوا ہے۔‘ اس سے قبل پاکستانی حکام رفال سمیت متعدد انڈین جنگی طیارے مار گرانے کا دعویٰ کر چکے ہیں۔

امریکہ کے صدر ڈونلڈ ٹرمپ بھی پاکستان اور انڈیا کے درمیان جنگ رکوانے کا کریڈٹ لیتے ہوئے متعدد مواقع پر کبھی پانچ، چھ تو کبھی سات طیارے تباہ ہونے کا تذکرہ کرتے رہے ہیں۔ تاہم اُنھوں نے کبھی یہ واضح نہیں کیا کہ یہ کس ملک کے طیارے تھے۔

انڈیا نے اس تنازع میں اپنے طیارے گرائے جانے کے حوالے

سے کبھی کوئی واضح بیان نہیں دیا تاہم انڈین مسلح افواج کے چیف آف ڈیفینس سٹاف انیل چوہان نے پاکستان کی جانب سے طیارے گرائے جانے کے دعوؤں کے بارے میں جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ 'اہم بات یہ نہیں کہ طیارے گرائے گئے بلکہ یہ کہ وہ کیوں گرائے گئے۔ کیا غلطیاں ہوئیں، یہ باتیں اہم ہیں۔ نمبر اہم نہیں ہوتے۔'

سر کریک سرحدی تنازع کیا ہے؟

انڈیا اور پاکستان کے درمیان کئی دہائیوں سے بعض سرحدی علاقوں پر تنازعات موجود ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ زیر بحث علاقے کشمیر اور لداخ ہیں مگر ایک اور خطہ جس کی تقسیم کئی دہائیوں سے بحث کا موضوع رہی ہے، وہ سر کریک سیکٹر ہے۔

یہ پاکستان کے صوبہ سندھ اور انڈیا کی ریاست گجرات کے درمیان واقع 96 کلومیٹر طویل دلدلی زمین ہے جس پر دونوں ممالک کے اپنے اپنے دعوے ہیں۔

کریک کا مطلب سمندر میں موجود ایک تنگ خلیج ہے۔ سر کریک انڈیا اور پاکستان کے درمیان ایک تنگ اور دلدلی خلیج ہے جو بحیرہ عرب سے جڑی ہوئی ہے۔

اس کا اصل نام بان گنگا ہے جسے بعدازاں برطانوی دور میں سر کریک کا نام دیا گیا تھا۔ یہ علاقہ تب سے ہی تنازعات میں گھرا ہوا ہے۔

سادہ الفاظ میں تنازع یہ ہے کہ دونوں ملک سمندری سرحد کو مختلف انداز سے دیکھتے ہیں۔

انڈیا کا کہنا ہے کہ سرحد کی لکیر خلیج کے وسط میں سے کھینچی جائے جبکہ پاکستان کا کہنا ہے کہ سرحد اس کے ساحل سے کھینچی جائے کیونکہ برطانوی حکومت نے 1914 میں اسے غیر بحری (یعنی جہاں بحری جہاز نہیں چل سکتے) علاقہ قرار دیا تھا۔

پاکستان اور انڈیا کے لیے سر کریک کیوں اہم ہے؟

1914 کے دوران پاکستان کا موجودہ صوبہ سندھ اور انڈین ریاست گجرات کا علاقہ کچھ دونوں بمبئی پریزیڈنسی کا حصہ تھے۔ تاہم سر کریک کے علاقے پر دونوں کے درمیان تنازع تھا۔

اس وقت تک اس علاقے کا سروے تک نہیں ہوا تھا۔

سرویز 1913 اور 1914 کے درمیان کیے گئے اور بمبئی پریزیڈنسی نے ایک قرارداد جاری کی۔ اس قرارداد میں کہا گیا کہ سر کریک ایک دلدلی علاقہ ہے، اس لیے اس کی حدود کا تعین مرکز سے نہیں بلکہ ساحل سے ہوگا، یعنی مشرقی کنارے سے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ پوری سر کریک سندھ کی طرف چلی گئی۔

آزادی کے بعد پاکستان اس فیصلے کے ساتھ آگے بڑھنا چاہتا تھا لیکن انڈیا کا کہنا تھا کہ سرحد خلیج کے وسط یعنی درمیانی راستے میں ہونی چاہیے۔

انڈیا نے اس کے پیچھے بین الاقوامی سرحدی قانون اور سمندر کے قانون پر اقوام متحدہ کے کنونشن (یو این سی ایل او ایس) کے اصول کا حوالہ دیا۔

اس اصول کو 'تھل ویگ' کہا جاتا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ اگر دو ملکوں کے درمیان کوئی دریا یا خلیج ہو تو عام طور پر اس کے ذریعے سرحد کا فیصلہ کیا جائے گا۔

لیکن پاکستان کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ دلدلی اور غیر سمندری زمین ہے اس لیے اس پر یہ اصول لاگو نہیں ہوگا۔

انڈیا کا موقف ہے کہ یہاں سمندری لہریں آتی رہتی ہیں اس لیے علاقے کی نوعیت بھی بدلتی رہتی ہے اور اب یہ صرف دلدلی زمین نہیں رہی ہے۔ انڈیا کے مطابق یہاں سے بحری جہاز بھی گزر سکتے ہیں اس لیے ساحل سے سرحد کی حد بندی کوئی معنی نہیں رکھتی۔

اگر سرحد کی لکیر درمیان سے کھینچی جائے تو انڈیا کو سمندر کا بڑا حصہ مل جائے گا جبکہ لکیر کو کنارے سے کھینچا جائے تو پاکستان کو فائدہ ہوگا۔

دلی کی جامعہ ملیہ اسلامیہ یونیورسٹی کے شعبہ سیاسیات کی پروفیسر ریشمی قاضی کہتی ہیں کہ یہ علاقہ اقتصادی اور علاقائی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ خصوصی اقتصادی زون ہے یعنی پانی یا سمندر کی سطح پر موجود وسائل اور کانٹینینٹل شیلف یعنی سمندر کے نیچے کی زمین اور اس کے معدنیات، تیل اور گیس کے ذخائر بھی اہم ہیں۔

ان کے مطابق یہ علاقہ تیل اور قدرتی گیس سے مالا مال سمجھا جاتا ہے۔

انھوں نے بتایا کہ 'ہم نے اکثر اس متنازع سرحد کو دونوں ممالک کے ماہی گیروں کے لیے پریشانی کا باعث بنتے دیکھا ہے۔ پاکستان اپنے لیفٹ بینک آؤٹ فال ڈرین منصوبے کے حصے کے طور پر نمکین اور صنعتی پانی کو سر کریک میں پمپ کرتا ہے۔ اس سے نہ صرف ماحولیات متاثر ہوتا ہے بلکہ سندھ طاس معاہدے کی بھی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے نہ صرف یہ علاقہ سیلاب کا باعث بنتا ہے بلکہ بعض اوقات یہ پانی سیلاب کا باعث بنتا ہے۔'

کیا کبھی اس تنازعے کو حل کرنے کی کوشش کی گئی؟

انڈیا اور پاکستان دونوں اقوام متحدہ کے کنونشن Law Of The Sea کے رکن ہیں۔

اس معاہدے کے تحت تمام ممالک کو 2009 تک اپنے سمندری تنازعات کو حل کرنا تھا، بصورت دیگر متنازع علاقہ بین الاقوامی پانی قرار دیا جائے گا۔

لیکن رکن ہونے کے باوجود انڈیا اور پاکستان سر کریک کو دوطرفہ مسئلہ قرار دیتے ہیں اور اس تنازع کو کسی بین الاقوامی عدالت میں نہیں لے جانا چاہتے۔

دونوں ممالک کے درمیان 2015 تک اس مسئلے کے حل کے لیے مذاکرات کے کئی دور ہو چکے ہیں۔ 1995 اور 2005 میں ہونے والی بات چیت کے مثبت نتائج سامنے آئے۔ لیکن یہ معاملہ تعطل کا شکار رہا اور کسی

نتیجے پر نہیں پہنچا۔

ریشما قاضی کہتی ہیں کہ 'انڈین حکومت کا موقف ہے کہ دہشت گردی اور مذاکرات ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ لیکن یہ مسائل صرف بات چیت کے ذریعے ہی حل ہو سکتے ہیں۔ اس لیے دونوں ممالک کو خود ہی اس کا حل تلاش کرنا ہوگا۔'

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وزیر دفاع راج ناتھ سنگھ کا سر کریک کے علاقے میں پاکستان کے فوجی انفراسٹرکچر کی توسیع کا دعویٰ کتنا اہم ہے۔

دفاعی امور کے ماہر راہول بیدی کا کہنا ہے کہ راج ناتھ سنگھ کا بیان 'بہت ہی غیر معمولی ہے' کیونکہ سر کریک کا معاملہ اب متعلقہ نہیں رہا۔

وہ کہتے ہیں کہ '1990 کی دہائی میں سر کریک ایک گرما گرم موضوع تھا لیکن اب یہ ایک مردہ موضوع ہے۔'

انھوں نے کہا کہ 'یہ واضح نہیں ہے کہ راج ناتھ سنگھ نے اس وقت یہ بیان کیوں دیا لیکن یہ ممکنہ طور پر پاکستان کو خبردار کرنے کی کوشش ہے کہ انڈیا اس محاذ پر نظر رکھے ہوئے ہے۔'

اُن کے مطابق 'انڈیا نے بارہا کہا ہے کہ آپریشن سندور ابھی بھی جاری ہے اس لیے اسے اس کے ساتھ جوڑ کر دیکھا جانا چاہیے۔'

دوسری جانب سابق انڈین سفارتکار مہیش سچدیو نے خبر رساں ایجنسی 'آئی این ایس' سے بات کرتے ہوئے کہا کہ انڈیا نے اس علاقے پر 'پاکستان کے دعوے کو مسلسل مسترد کیا ہے۔'

انھوں نے کہا کہ 'ہم بین الاقوامی قانون کی پاسداری کرتے ہیں، ہم اپنی سرزمین کے دفاع کے لیے یہاں انفراسٹرکچر بھی بنا رہے ہیں۔ اس لیے راج ناتھ سنگھ کا بیان پاکستان کو یہ پیغام دینے کی کوشش ہے کہ سعودی عرب کی جانب سے کسی بھی طرح کے مبینہ دباؤ کو انڈیا زیادہ اہمیت نہیں دے گا۔'

پروفیسر ریشمی قاضی کا خیال ہے کہ اگر پاکستان 'سر کریک کے علاقے میں اپنی فوج نقل و حرکت بڑھا رہا ہے تو انڈیا کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے فضائی دفاع اور ریڈار ٹیکنالوجی کو مضبوط بنائے کیونکہ یہ سرحدی علاقہ ہے اور یہاں سے دراندازی کا خطرہ بھی ہے۔'

ایشیا کپ 2025 کے سپر فور مرحلے کے ایک اہم میچ میں انڈیا نے پاکستان کو چھ وکٹوں سے شکست دے دی ہے، لیکن یہ میچ کرکٹ سے زیادہ چند تنازعات کی وجہ سے سوشل میڈیا پر زیرِ بحث ہے۔

دبئی کرکٹ سٹیڈیم میں اتوار کو کھیلے گئے میچ میں پاکستان نے انڈیا کو جیت کے لیے 172 رنز کا ہدف دیا تھا جسے انڈیا نے 19ویں اوور میں چار وکٹوں کے نقصان پر حاصل کر لیا۔

انڈیا کے ہاتھوں شکست کے بعد جہاں پاکستان کی ناقص کارکردگی پر بحث ہوئی وہیں اس میچ میں 'سپورٹس مین شپ' کی کمی پر بھی سوالات اٹھائے گئے۔

اس میچ میں بھی دونوں ٹیموں کے کپتانوں نے ٹاس کے وقت ہاتھ نہیں ملایا۔ یاد رہے کہ 14 ستمبر کو گروپ مرحلے کے میچ کے دوران بھی کچھ ایسا ہوا جس نے روایتی حریفوں کے درمیان سیاسی، سفارتی اور عسکری محاذوں پر تناؤ پر ایک بار پھر سے بحث چھیڑ دی تھی۔

اس رپورٹ میں ہم اس میچ کے دوران سامنے آنے والے چند تنازعات پر نظر دوڑائیں گے۔

حارث کا 0-6 کا اشارہ، فرحان کا جشن اور ابھیشیک سے تلخ کلامی:

پاکستان انڈیا میچ کے دوران سامنے آنے والے پانچ تنازعات

1۔ دوسری بار ہاتھ نہیں ملایا

ایشیا کپ میں دوسری بار انڈیا اور پاکستان کے کپتانوں نے ٹاس کے بعد ہاتھ نہیں ملایا۔

اس پر کئی سوشل میڈیا صارفین نے تبصرہ کیا۔

ایک صارف نے لکھا کہ 'کرکٹ کو کرکٹ ہی رہنے دو، میں دونوں طرف کے کھلاڑیوں سے درخواست کرتا ہوں۔'

14 ستمبر کو میچ شروع ہونے سے قبل دونوں ٹیمیں روایت کے مطابق میدان میں اُتریں تو قومی ترانے بجائے گئے اور پھر ٹاس ہوا۔

تاہم ٹاس کے بعد انڈیا کے کپتان سوریہ کمار یادو نے اپنے پاکستانی ہم منصب سلمان علی آغا سے مصافحہ کرنے کے بجائے میدان چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔

میچ ختم ہونے کے بعد انڈین ٹیم سیدھی ڈریسنگ روم چلی گئی جب کہ پاکستانی کھلاڑی ہاتھ ملانے کی تیاری کر رہے تھے۔

پاکستان کرکٹ بورڈ نے اس میچ میں میچ ریفری کے بارے میں آئی سی سی سے شکایت بھی کی۔

پاکستان نے الزام لگایا کہ میچ ریفری اینڈی پائکرافٹ نے دونوں ٹیموں کے کپتانوں سے ٹاس کے دوران ہاتھ نہ ملانے کو کہا تھا۔

تاہم آئی سی سی نے اسے غلط فہمی قرار دیا۔

2۔ حارث رؤف کا چھ صفر کا اشارہ اور پاکستانی وزیرِ دفاع کے تبصرے

سوشل میڈیا پر انڈین اور پاکستانی ٹیموں کے درمیان موازنے کے علاوہ پاکستانی بولر حارث رؤف کی ایک تصویر وائرل ہوئی جس میں وہ اپنے ہاتھوں کی مدد سے چھ اور صفر کا اشارہ کرتے نظر آ رہے ہیں۔

اس تصویر پر پاکستان کے وزیرِ دفاع خواجہ آصف نے لکھا 'رؤف نے درست جواب دیا، کرکٹ میچ ہوتے رہتے ہیں، لیکن انڈیا کو چھ صفر آخر تک نہیں بھولے گا اور دنیا بھی اسے یاد رکھے گی۔'

رؤف پاکستان کے اس دعوے کا حوالہ دے رہے تھے کہ اس نے 'آپریشن سندور' کے دوران انڈیا کے چھ طیاروں کو مار گرایا تھا۔

اشتیاق احمد نامی صارف نے لکھا کہ 'انڈیا جنگ لڑنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور ہم کرکٹ کھیلنے کے قابل نہیں ہیں۔'

ایکس پر پاکستانی شائقین نے پی سی بی کے چیئرمین محسن نقوی کو انڈیا سے ایک اور شکست کے بعد تنقید کا نشانہ بنایا اور ایک بار پھر ان سے استعفیٰ کا مطالبہ کیا۔

3۔ فرحان کا نصف سنچری پر جشن

اس میچ میں پاکستانی ٹیم کی جانب سے بیٹنگ کرتے ہوئے صاحبزادہ فرحان نے نصف سنچری سکور کی تھی۔

اس کے بعد جشن کے دوران انھوں نے بلے سے کچھ ایسے اشارے کیے جو انڈین شائقین کو پسند نہیں آئے۔

دراصل انھوں نے بلے کو بندوق کی طرح ہاتھ میں پکڑا اور آسمان کی طرف اٹھایا۔

انڈیا میں سوشل میڈیا صارفین اور اپوزیشن پارٹی کے رہنماؤں نے اس معاملے پر بی سی سی آئی پر تنقید کی اور سپورٹس مین شپ پر سوالات اٹھائے۔

4۔ فخر زمان کی وکٹ

یہ تنازع کھڑا ہونے میں صرف 2.3 اوورز لگے جب فخر زمان 15 رنز بنا کر ہاردک پانڈیا کے ہاتھوں آؤٹ ہوئے۔

زمان اچھی فارم میں نظر آ رہے تھے اور ابتدائی اوورز میں جسپریت بمراہ اور ہاردک کے خلاف رنز بنا رہے تھے۔

لیکن فخر زمان ہارڈک کی گیند پر شاٹ کھیلتے ہوئے سنجو سیمسن کے ہاتھوں کیچ ہو گئے اور تھرڈ امپائر روچیرا پالیا گروگے نے انھیں آؤٹ قرار دے دیا۔

ری پلے میں دکھایا گیا کہ گیند سیمسن کے دستانے میں آنے سے پہلے زمین سے ٹکراتی ہے۔ تھرڈ امپائر نے فیصلہ کرنے میں کچھ وقت لیا۔

پالیا گروگے نے اتفاق کیا کہ کیچ درست تھا کیونکہ وکٹ کیپر کی انگلیاں گیند کے نیچے تھیں، لیکن فخر زمان اس سے متفق نہیں تھے۔

5۔ ابھیشیک اور حارث رؤف میں تکرار

انڈین ٹیم جب بیٹنگ کے لیے آئی تو پاکستانی بولر حارث رؤف کی انڈیا کی اوپننگ جوڑی سے گرما گرم بحث ہوئی۔

رؤف اور شبمن گل-ابھیشیک شرما کی جوڑی کے درمیان سخت جملوں کا تبادلہ ہوا اور امپائر کو مداخلت کرنا پڑی۔

اوپننگ بلے باز کے طور پر آنے والے ابھیشیک شرما نے چھکے سے انڈین اننگز کا آغاز کیا اور 39 گیندوں میں 74 رنز کی زبردست اننگز کھیلی۔

اس دوران انھوں نے چھ چوکے اور پانچ چھکے لگائے۔

میچ کے بعد انڈین بلے باز ابھیشیک شرما نے کہا کہ 'مجھے یہ پسند نہیں آیا کہ جس طرح وہ (پاکستانی کھلاڑی) بغیر کسی وجہ کے ہماری طرف آ رہے تھے اسی لیے میں نے ایسی بیٹنگ کی۔'

سلطان سلیم اوّل تو عثمانی تخت کے بھی وارث نہیں تھے مگر پھر سنہ 1517 کے سمٹتے اگست نے دیکھا کہ قاہرہ میں مکہ کے مقدس شہر کی کنجیاں دے کر انھیں اسلامی دنیا کا رہنما یا خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔ اسی لیے تُرک انھیں 'یاووز' یعنی 'درشت' اور 'ارادے کا پکا' کہتے ہیں، یعنی جو ٹھان لی تو اس پر عمل کیے بغیر نہ ٹلے!

سلیم 10 اکتوبر 1470 کو جدید ترکی کے شمالی شہر اماسیا میں جب پیدا ہوئے تو ان کے دادا محمد ثانی حکمران تھے اور والد بایزید ابھی (بایزید ثانی کے لقب کے ساتھ) سلطان نہیں بنے تھے۔

برٹینیکا میں لکھا ہے کہ بایزید اپنی صلح جُو فطرت کے باوجود ینی چری فوج کے زور پر تخت نشین ہوئے تھے اور فوجی مہمات میں بے دلی دکھاتے تھے۔ سلیم نے بایزید کو جلاوطن کیا جہاں ان کا فوری بعد انتقال ہو گیا۔ پھر سلیم اوّل نے اپنے تمام بھائیوں، ان کے سات بیٹوں اور اپنے پانچ میں سے چار بیٹوں کو بھی (ریشم کی ڈوری سے) قتل کروایا۔

'صرف سب سے قابل، سلیمان کو جانشین کے طور پر چھوڑا۔'

برٹینیکا کے مطابق 'اس اقدام نے مخالفین کو کسی متبادل رہنما سے محروم کر دیا جس کے گرد وہ جمع ہو سکتے۔ یوں اگرچہ حکومت میں دیوشرمے (ینی چری

نگیں آ گئے اور مکہ و مدینہ جیسے مقدس مقامات کے شامل ہونے سے سلیم مسلم دنیا کے سب سے طاقتور حکمران تسلیم کر لیے گئے۔'

'یہ فتوحات عثمانیوں کے لیے بے حد اہم ثابت ہوئیں۔ بہتر نظم و نسق کے تحت نئی سلطنت نے استنبول کو وہ مالی وسائل دیے جنآوں نے پندرھویں صدی کے مالی بحران ختم کر دیے اور سلطنت کو سولھویں صدی کی سب سے طاقتور و خوشحال ریاستوں میں شامل کر دیا۔'

'عثمانیوں نے مملوکوں کی جگہ مشرقِ وسطیٰ میں یورپ اور ایشیا کو ملانے والے قدیم تجارتی راستوں پر قبضہ کر لیا۔'

سلطان سلیم اوّل

عثمانی شہزادہ جس نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے نو بھائیوں، سات بھتیجوں اور چار بیٹوں کو قتل کروایا

مورخ ایلن میخائل اپنی کتاب 'گاڈز شیڈو' میں لکھتے ہیں کہ سلطان بایزید ثانی کے دس بیٹوں میں چوتھے سلیم کو تخت کا وارث بننے کی توقع ہرگز نہیں تھی۔

'مگر ذاتی کرشمے اور عسکری مہارت کے ساتھ، اور اپنی غیر معمولی صلاحیت کی حامل والدہ گُل بہار کی رہنمائی سے، سلیم نے 1512 میں سلطنت سنبھالنے بعد اس کے رقبے کو تقریباً تین گنا بڑھا دیا اور ایسا حکومتی ڈھانچہ قائم کیا جو بیسویں صدی تک قائم رہا۔'

انسائکلو پیڈیا برٹینیکا کی تحقیق ہے کہ سلطان سلیم اوّل تخت پر اُس خانہ جنگی کے بعد بیٹھے جس نے ان کے والد بایزید ثانی اور بھائیوں کو بھی لپیٹ میں لیا تھا۔

،تصویر کا کیپشنا نسائکلو پیڈیا برٹینیکا کی تحقیق ہے کہ سلطان سلیم اوّل تخت پر اُس خانہ جنگی کے بعد بیٹھے جس نے ان کے والد بایزید ثانی اور بھائیوں کو بھی لپیٹ میں لیا تھا۔

ایلن میخائل کے مطابق سنہ 1512 تک شہزادہ احمد اپنے والد کے بعد تخت کے سب سے مضبوط امیدوار سمجھے جاتے تھے۔ 'بایزید مزید حکومت کرنا نہیں چاہتے تھے۔ انھوں نے احمد کو جانشین نامزد کر دیا۔ اس اعلان پر سلیم سخت برہم ہوئے اور انھوں نے بغاوت کر دی۔'

اپنی کتاب میں وہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ 1511 میں پہلی جنگ میں سلیم اپنے والد کی افواج سے ہار گئے، تاہم بالآخر انھوں نے اپنے والد کو معزول کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب کسی عثمانی شہزادے نے اپنے ہی والد کے خلاف باقاعدہ فوج لے کر بغاوت کی تھی۔

اور درباری گروہ) کا عمل دخل برقرار رہا، مگر اصل اختیار سلیم کے ہاتھ میں تھا۔'

'سلیم کی اصل توجہ مشرق کی طرف تھی، جہاں ایران کے صفوی بانی شاہ اسماعیل اوّل اپنے قزِل باش پیروکاروں کے ساتھ نہ صرف سیاسی بلکہ نظریاتی خطرہ بنے ہوئے تھے۔

'سنہ 1514 کی جنگِ چالدَران میں سلیم نے شاہ اسماعیل کو شکستِ فاش دی اور اناطولیہ کے کُرد اور ترکمان امرا کو سلطنت میں شامل کر لیا۔'

ڈیوڈ مورگن نے شاہ اسماعیل پر اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ ان کی فوج زیادہ تیز رفتار تھی اور ان کے سپاہی بہتر تیاری کے ساتھ میدان میں اترے تھے، لیکن عثمانیوں نے جدید فوجی ڈھانچے، توپ خانے، بارود اور بندوقوں کی بدولت کامیابی حاصل کی۔

عثمانیوں نے 7 ستمبر کو صفوی دارالحکومت تبریز پر قبضہ کیا۔ ایلن میخائل نے لکھا ہے کہ اس جمعہ کا خطبہ تبریز کی مساجد میں سلیم کے نام سے پڑھا گیا۔

رُڈولف پی۔ متھی کی کتاب 'دی پرسوٹ آف پلیژر: ڈرگز اینڈ سٹِمولینٹس ان ایرانین ہسٹری (19001500)' کے مطابق، سلیم نے جنگ کے بعد اسماعیل کے بارے میں کہا: 'وہ ہمیشہ اس قدر شراب کے نشے میں رہتے تھے کہ عقل کھو بیٹھتے اور سلطنت کے امور کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے تھے۔'

اس کے بعد سلیم اوّل نے مملوکوں کا رُخ کیا اور 1516 کی جنگِ مرج دابق اور 1517 کی جنگِ رَیدانیہ میں کامیابی حاصل کی۔

برٹینیکا میں لکھا ہے کہ 'ان فتوحات کے نتیجے میں شام، مصر اور فلسطین عثمانیوں کے زیرِ

برٹینیکا کے مطابق، مشرق میں عثمانی فتوحات اور ایران میں صفوی سلطنت کے قیام نے اس انتشار اور سیاسی خلا کا خاتمہ کیا جو گیارہویں صدی میں عباسی خلافت کے زوال کے بعد پیدا ہوا تھا۔ پورے خطے میں امن و استحکام قائم ہوا، اور مشرقِ وسطیٰ ایک بار پھر ایک طاقتور سلطنت کے زیرِ سایہ منظم ہوا۔

'البتہ مسلم دنیا مستقل طور پر تقسیم ہو گئی: ایران اور ماوراء النہر (وسطی ایشیا کا جنوب مغربی حصہ) عرب دنیا سے الگ ہو گئے، جبکہ پہلی بار اناطولیہ اور جنوب مشرقی یورپ عرب دنیا کا جزو بن گئے۔'

سلطان سلیم اوّل نے صفوی سلطنت کو دنیا سے کاٹنے کے لیے ایران کی ریشم کی تجارت پر سخت پابندی لگائی۔ تاریخ کی مختلف کتابوں سے پتا چلتا ہے کہ یہ سخت اقدامات عثمانیوں کو بھی نقصان دیتے رہے، مگر سلیم نے صفویوں کو کمزور کرنے کے لیے انھیں جاری رکھا۔ ان کی وفات کے فوری بعد یہ پالیسی سلطان سلیمان اوّل نے ختم کر دی۔

نعیم الرحمٰن فاروقی نے 'مغل اوٹومن ریلیشنز' میں لکھا ہے کہ ابتدا میں (بعد میں مغل سلطنت کی بنیاد رکھنے والے ظہیر الدین محمد) بابر اور عثمانیوں کے تعلقات کشیدہ تھے۔

پیغمبر اسلام کی تلوار اور کمان استنبول میں توپ قاپی محل میں نمائش پر رکھی ہوئی ہیں۔

'سنہ 1513 میں سلیم اوّل نے یہ خدشہ محسوس کرتے ہوئے کہ بابر صفویوں سے جا ملیں گے، ان سے صلح کی اور استاد علی قلی، مصطفیٰ رومی سمیت کئی عثمانی ماہرین کو ان کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ یہی تعاون آئندہ

مغل۔عثمانی تعلقات کی بنیاد بنا۔'

ابراہم ارالی کی کتاب 'ایمپررز آف دی پیکاک تھرون' کے مطابق بابر نے ان ہی سے توپوں اور آتشیں اسلحے کو محض قلعہ بندی کے لیے نہیں بلکہ میدانِ جنگ میں بھی استعمال کی حکمتِ عملی سیکھی، جس نے انھیں ہندوستان میں برتری دلائی۔

مؤرخین کا اتفاق ہے کہ اپنے مختصر آٹھ سالہ دورِ حکومت میں شاندار فتوحات سے سلیم نے وہ بنیادیں رکھیں جن پر سلطان سلیمان کے دور میں سلطنت اپنی معراج کو پہنچی۔

جب عثمانیوں نے مصر فتح کیا تو آخری عباسی خلیفہ المتوکل ثالث قاہرہ میں مقیم تھے اور مملوکوں کے ہاتھوں محض ایک کٹھ پتلی کی حیثیت رکھتے تھے۔ انھیں استنبول بھیج دیا گیا۔اٹھارہویں صدی میں ایک روایت نے جنم لیا کہ گویا انھوں نے خلافت کا خطاب باضابطہ طور پر سلیم اوّل کو مصر کی فتح کے وقت منتقل کر دیا تھا۔

کیرولین فنکل اپنی کتاب 'عثمانز ڈریم : دی سٹوری آف اوٹومن ایمپائر، 19231300' میں وضاحت کرتی ہیں کہ سلیم نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خلافت کے اختیارات استعمال کر رہے ہیں، اور اس مبینہ 'باضابطہ منتقلی' کا تصور محض بعد کی اختراع تھا۔

ایلن میخائل لکھتے ہیں کہ مملوکوں پر فتح سے روم کی سلطنت کے عروج کے بعد پہلی بار بحیرہ اسود، بحیرہ احمر، بحیرہ خزر (بحیرہ قزوین یا بحیرہ کیسپیین) اور بحیرہ روم ایک ہی سلطنت کے زیرِ حکم آ گئے تھے۔

'مصر کی فتح سلطنت کے لیے بے حد نفع بخش ثابت ہوئی کیونکہ اس سے دیگر تمام عثمانی علاقوں کے مقابلے میں زیادہ محصول ملا اور قریباً سو فیصد خوراک بھی سلطنت کو یہیں سے مہیا ہوئی۔ تاہم، مکہ اور مدینہ ان تمام شہروں میں سب سے زیادہ اہم تھے کیونکہ ان ہی کی بدولت سلیم اور ان کے جانشینوں کو بیسویں صدی کے اوائل تک پوری مسلم دنیا کا خلیفہ تسلیم کیا گیا۔'

سلطان سلیم اوّل داڑھی نہ رکھتے، شکار اور تیراکی پسند کرتے، کتاب دوست اور علم پرور تھے، حتیٰ کہ جنگی مہمات میں بھی کتاب ساتھ رکھتے۔

علی توکلچی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ سلطان سلیم اوّل خود کو 'خادمِ حرَمین شریفین' کہتے تھے۔

'مکہ اور مدینہ کے امیر (عہدے کا نام شریف تھا) نے ایک خط کے ساتھ دونوں مقدس شہروں کی کنجیاں سلطان سلیم اوّل کو بھیجیں اور ان کے سامنے اپنی اطاعت کا اعلان کیا۔انھوں نے 'مقدس امانات' (یعنی وہ اشیا جو پیغمبر اسلام، آپؐ کے اصحاب اور بعض دوسرے انبیا کرام سے منسوب ہیں) کا ایک اہم حصہ بھی سلطان کو روانہ کیا۔

'سلطان سلیم اوّل مقدس امانات کی آمد اور امیر کے صلح جو رویے سے بے حد خوش ہوئے۔ امیر کو ان کی اطاعت اور مقدس امانات اور کنجیوں کے بھیجنے پر قیمتی تحائف ارسال کیے۔اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے خطے کے عوام کی خدمت کے لیے دو لاکھ اشرفیاں اور غلہ سے لدے جہاز بھی روانہ کیے۔

'مقدس امانات، جو اس سے پہلے مملوک حکمرانوں کی حفاظت میں تھیں، کے لیے استنبول کے توپ قاپی محل میں سلطان نے اپنا ذاتی کمرہ، یعنی تخت شاہی کا کمرہ، وقف کر دیا۔

'سلطان سلیم کے حکم سے یہاں دن رات قرآن کی تلاوت کا اہتمام کیا گیا۔ چار صدیوں تک یہاں قرآن مسلسل پڑھا جاتا رہا۔بس جمہوریہ کے قیام کے بعد یہ روایت تقریباً پچاس برس تک منقطع رہی۔ تاہم عثمانی مورخ اور کلاسیکی ترک موسیقی کے ماہر یلماز اوزتونا نے 1969 میں رکنِ پارلیمان منتخب ہونے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کروایا۔ آج یہ روایت ترک حکومت کی نگرانی میں جاری ہے۔'

سلیم اوّل کی فتوحات نے سلطنت کو تین براعظموں پر پھیلا دیا۔ وہ زیادہ تر میدانِ جنگ میں رہے اور محل کی زندگی سے گریزاں رہے۔ سلیم اوّل کی دو معروف بیویاں تھیں، کم از کم چھ بیٹے اور نو بیٹیاں تھیں۔

تیز مزاج، غیر معمولی توقعات اور بے رحم فیصلے بی یہ سب سلیم اول کی شخصیت کا حصہ تھے۔

عثمانی سلطان سلیمان اول نے اپنے والد کے اعزاز میں سلیم اول مسجد تعمیر کروائی تھی۔

مائیک ڈیش کی کتاب 'اوٹومن ایمپائرز لائف اینڈ ڈیتھ ریس' میں لکھا ہے کہ روایت ہے کہ ان کے کئی وزرا معمولی سی لغزش پر بھی قتل کر دیے گئے۔

'ایک وزیر نے ہنستے ہوئے سلطان سے کہا: 'اگر آپ مجھے قتل کرنے کا ارادہ کریں تو پہلے خبر دے دیجیے گا تا کہ میں اپنے معاملات درست کر لوں۔'

سلیم نے قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا: 'یقیناً ایسا کرنے کا سوچ رہا ہوں، مگر ابھی تک تمہاری جگہ لینے والا کوئی موزوں آدمی نہیں ملا، ورنہ یہ کام کب کا کر چکا ہوتا!'

اسی پس منظر نے عثمانیوں میں ایک بددعا کو جنم دیا: 'اللہ کرے تم سلیم کے وزیر بنو!۔'

ریاستی امور میں وہ سخت اور بے لچک تھے، مگر ذاتی زندگی میں انتہائی منکسر المزاج، مطالعہ پسند اور عام عالم کی طرح دکھائی دیتے۔

ایلن میخائل کے مطابق سلیم نے مذہبی تنوع کو فروغ دیا، یہودیوں سمیت دیگر اقلیتوں کو سلطنت میں خوش آمدید کہا، علم و فلسفے کی سرپرستی کی، اور خود بھی شاعری کی۔

سلیم ترک اور فارسی دونوں زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔عثمانی ادبی نقاد لطفی (وفات 1582) کے مطابق وہ 'فارسی بولنے کے نہایت شوقین' تھے۔ وہ ایک شاعر بھی تھے اور ترکی اور فارسی دونوں زبانوں میں 'سلیمی' تخلص کے ساتھ اشعار کہتے تھے۔ان کی فارسی شاعری کے مجموعے آج بھی محفوظ ہیں۔

سادہ، متقی اور صوفی مزاج تھے۔ داڑھی نہ رکھتے، شکار اور تیراکی پسند کرتے، کتاب دوست اور علم پرور تھے، حتیٰ کہ جنگی مہمات میں بھی کتاب ساتھ رکھتے۔ سادہ ترین لباس پہنتے۔ ان کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ بیٹے سلیمان کی شان و شوکت دیکھ کر کہا: 'بیٹے! اگر تم ایسے لباس پہنو گے تو تمہاری ماں کیا پہنے گی؟'

سلیم اوّل کی مغرب کی جانب منصوبہ بند مہم اس وقت رُک گئی جب وہ بیماری میں مبتلا ہو کر 49 برس کی عمر میں وفات پا گئے۔ سرکاری روایت کے مطابق وہ ایک ناسور کے غلط علاج کے باعث فوت ہوئے، مگر بعض مؤرخین ان کی موت کو سرطان یا حتیٰ کہ زہر خورانی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ کچھ محققین نے اسے سلطنت میں پھیلی طاعون کی وبا سے بھی جوڑا ہے۔

سلطان سلیم اوّل کے نام پر باسفورس پر بنا یاووز سلطان سلیم پل ترکی کے یورپی حصے کو ایشیائی حصے سے ملاتا ہے۔

22 ستمبر 1520 کو ان کا آٹھ سالہ دورِ حکومت ختم ہوا۔

کیرولن فنکل کے مطابق مکہ اور مدینہ کے راستوں کا محافظ بن کر اور مشرقِ وسطیٰ کے مرکزی مسلم خطوں کو فتح کر کے انھوں نے عثمانیوں کو سب سے نمایاں مسلم طاقت بنا دیا۔

'ان فتوحات نے سلطنت کا جغرافیائی اور ثقافتی مرکز بلقان سے مشرقِ وسطیٰ کی طرف منتقل کر دیا۔اٹھارویں صدی تک مملوک سلطنت کی فتح کو ایسے لمحے کے طور پر رومانوی رنگ دیا گیا جب عثمانیوں نے بقیہ مسلم دنیا کی قیادت سنبھالی۔ اسی لیے سلیم اوّل کو پہلا باقاعدہ عثمانی خلیفہ قرار دیا جاتا ہے۔'

ان کے نام پر نو سال پہلے استنبول میں باسفورس پر بنا یاووز سلطان سلیم پل دنیا کا پانچواں بلندترین (322 میٹر) پل ہے جو ترکی کے یورپی حصے کو ایشیائی حصے سے ملاتا ہے۔

دعا بھی
علاج بھی

پٹنی

چیئریٹیبل اسپتال

- جدید ترین آلات اور ماہر ڈاکٹرز
- مستحق مریضوں کے لیے خصوصی رعایت
- ایمرجنسی سہولت 24 گھنٹے میسر
- خواتین اور بچوں کے لیے علیحدہ وارڈز
- صاف ستھرا ماحول اور بہترین نگہداشت

ADDRESS
126/14 Sector 5-F
New Karachi

PHONE
0325-3152000

صدر ولی محمد ملیک

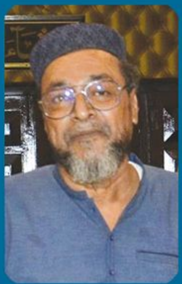
جنرل سیکریٹری ہارون ناخوا

پٹنی اسپتال نیو کراچی کے دورے پر صدر پٹنی برادری ولی محمد ملیک ، یوسف سومرہ، حسین پٹنی ودیگر کا گروپ فوٹو

مریم علی۔ محمد گوال

HIGHWAY CITY
EXECUTIVE ENCLAVE
BOOKING STARTS FROM
RS.5,500
HIGHWAY CITY
DEVELOPERS
SPECTRUM DEVELOPERS
Cell +92 311 1123115